

انشائے غالب

مرقب
رشید حسن خاں

ادارۂ یادگار غالب کراچی



PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081



پی ڈی ایف (PDF) کتب حاصل کرنے اور واٹس ایپ گروپ «کتاب کارنر»
میں شمولیت کے لیے مندرجہ بالا نمبرز کے واٹس ایپ پہ رابطہ کیجیے۔ شکریہ

انشائے غالب

مرتب
رشید حسن خاں

ادارۂ یادگار غالب
کراچی

سلسلہ مطلوبہ حالت ادارہ یادگار غالب

شمارہ : ۳۱

نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ

پبلک پاکستانی انٹیلجنس : ۲۰۰۱ء

طالع : احمد برہز، ناظم آباد کراچی

تعداد : پانچ سو

قیمت : ایک سو پچاس روپے



ادارہ یادگار غالب

پوسٹ بکس نمبر: ۲۲۶۸

ناظم آباد کراچی ۷۴۶۰۰

غالب لائبریری

دوسری چورنگی، ناظم آباد

کراچی ۷۴۶۰۰

فہرست

۵	مرض مرتب
۵۱	مقدمہ مالک رام
۶۳	مستمن انشاء غالب ڈاکٹر عبدالستار محمد لہی
۹۵	حواشی ڈاکٹر عبدالستار محمد لہی
۱۲۹	حواشی مالک رام
۱۳۷	غالب کے مرتبہ خطی نسخے کا نمونہ

عرضِ مرتب

رشید حسن خاں

عرض مرتب

مرزا غالب کے کلام نظم و نثر پر مشتمل یہ ایک مختصر سی کتاب ہے، جسے ”انٹرایے غالب“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ انتہائی مجموعہ کئی لحاظ سے توجہ طلب ہے۔ اس کی ایک اہمیت تو یہ ہے کہ یہ خود مرزا غالب کا مرتب کیا ہوا ہے۔ یہ اہمیت بھی ہے کہ زمانی ترتیب کے لحاظ سے ”یہ خطوط غالب کا سب سے پہلا مجموعہ ہے“ (۱) اور یہ بھی کہ کلام غالب کے بعض اجزاء کے لیے اس کی حیثیت واحد ماخذ کی، یا پھر اولین ماخذ کی ہے (۲)۔ مرزا صاحب نے اس انتہائی مجموعے کی تمہیدی عبارت میں لکھا ہے:

”یہ کتاب جو دو باب کی ہے، حقیقت یہ اس کتاب کی ہے کہ پہلے باب میں دو دو بیاضے اور کئی لطیفے اور کئی مکتوب ہیں۔ اگر میرے لکھے ہوئے شدہ ہوتے تو میں کہتا کہ بہت خوب ہیں۔ دوسرا باب اشعار کا ہے کہ وہ بھی کلام اسی خاکسار کا ہے۔ اگر کوئی خط اردو زبان میں لکھا جائے، ان اشعار میں سے شعر گل و مقام کے مناسب درج کیا جائے۔“

یہ تو حقیقت اس کتاب کی۔ اس کی وجہ ترتیب کیا تھی؟ اس سلسلے میں ڈاکٹر مولوی ضیاء الدین خاں دہلوی کا نام سامنے آتا ہے، جو مرزا غالب کے ہم عصر تھے، جنہوں نے ”انٹرایے اردو“ کے نام سے ایک مجموعہ حکومت کے ایما پر مرتب کیا تھا؛ مرزا غالب کا زیر بحث انتہائی مجموعہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مولوی صاحب کا مرتب کیا ہوا مجموعہ میں نے نہیں دیکھا، مگر رام

صاحب نے دیکھا تھا۔ میں انجی کی متعلقہ عبارت کے ضروری اجزاء کو نقل کرتا ہوں۔

۱۸۶۶ء میں حکومت کی طرف سے مولوی ضیاء الدین خاں کو ایسا ہوا کہ وہ اردو کا ایسا نصاب مرتب کریں جو خود اردو فوجی حضروں کو اردو پڑھانے کے لیے سوزوں ہو۔ اس پر انھوں نے تعلق نثر نگاروں کی تقریروں سے مضامین منتخب کیے اور غالب سے درخواست کی کہ وہ اپنے چند خطوط اور کچھ نثر عبارتیں کریں کہ انھیں لکچرہ نصاب میں شامل کیا جاسکے۔ اس پر غالب نے یہ زیر نظر مجموعہ (انتا سے غالب) مرتب کیا۔۔۔ انھوں نے یہ کتابچہ کاتب سے خوش کیا لکھوایا اور نظر دانی کے بعد اسے مولوی ضیاء الدین خاں کے حوالے کر دیا۔۔۔۔۔ یہی غالب بھروسہ خطی نسخہ مولوی ضیاء الدین خاں نے اپنی ”انتا سے اردو“ کے لیے مسودے کے طور پر استعمال کیا تھا اور اسی سے کاتب نے کتابت کی تھی۔۔۔ مولوی صاحب موصوف نے خطوں کی عبارت میں حسب فضا تبدیلی کر لی تھی۔ بعض الفاظ کا تہہ دہیہ کچھ بدل ڈالے، بعض جگہ سطروں کی سطریں خارج کر دیں۔۔۔

وجہ تالیف کے سلسلے میں مالک رام صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی ضیاء الدین خاں کی فرمائش کے نتیجے میں غالب نے اس کتاب کو مرتب کیا تھا۔ میں یہ بات پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ مولوی صاحب کی مرتب کی ہوئی ضابطی کتاب ”انتا سے اردو“ میں نے نہیں دیکھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ مولوی صاحب نے اس کے دیباچے میں اس سلسلے میں کیا لکھا ہے۔ اگر وہاں کچھ مرقوم نہیں تو پھر سوال یہ پیدا ہو گا کہ اس سلسلے میں مولوی صاحب نے کیا عبارت میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ کہاں سے ماخوذ ہے؟ (۳)

سب سے بڑا کہ یہ سوال سامنے آتا ہے کہ مولوی صاحب نے اگر مرزا صاحب سے

مجلس سڑکی فرمائش کی تھی، تو پھر مرزا صاحب نے یہ طریقہ کیوں اختیار کیا کہ سڑک اور نظم دونوں پر مشتمل ہا قاعدہ ایک کتاب مرتب کی اس پر مقدمہ لکھا اور مقدمے میں یہ بھی لکھا:

”یہ مجموعہ دس جناب رفعت مآب کی ہے جس سے عزت و توقیر کا نفع کثرتی ہنجاہ کی۔۔۔ حضرت ملک رفعت لکھو صاحب

بہادر۔“

یہی نہیں یہ بھی لکھا:

”میں یہ کتاب اگر ان کے علم سے بھائی جائے گی تو صاحبان

تازہ اور دلائل کے چمکنے کے کام آئے گی۔“

اس کے بعد اپنے چچا کی ”سرداری اور ریاست“ کا کچھ حال لکھا اور پھر اس خواہش کا اظہار کیا۔

”اہل بیت میں اس کا مستحق ہوں کہ کونسل پرست گنا چاؤں۔“

مرزا صاحب نے اس کے لیے لفظ ”مجموعہ“ اور پھر لفظ ”کتاب“ استعمال کیا ہے۔ مرزا صاحب کے مقدمے کی عبارت کو چن چن کر اگر یہ طور پر یہ خیال ذہن میں آتا ہے کہ مرزا صاحب نے اصل ایک ہا قاعدہ ”نصابی مجموعہ“ مرتب کیا ہے، جسے ہنجاہ کے فاضل کشر کے نام معنون کیا تھا (۳)۔ اس کا امکان ہے کہ ان کو کسی ذریعے سے یہ معلوم ہوا ہو حکومت وقت نوہ اردو انگریز افسروں کے لیے ایک نصابی مجموعہ مرتب کرانا چاہتی ہے۔ انہوں نے اسے ”دعا برآری“ کا ایک اچھا وسیلہ سمجھا ہوا اس خیال کے تحت اس کتاب کو مرتب کیا ہو۔

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے مولانا امتیاز علی خان عثمینی کے نام ایک خط میں ”میں“ کی تخریج کے سلسلے میں ضمنی طور پر اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے یہی مترشح ہوتا ہے۔ صدیقی صاحب کے خط کی حلقہ عبارت یہ ہے

”میرے پاس ایک اور قلمی چیز ہے۔ غالب کو خیال ہوا کہ

”صاحبان تازہ وارہ ولایت“ کے چڑھنے کے لیے ایک اردو کتاب
 بنائیں۔ چنانچہ اپنے لکھے ہوئے دو بیابان اور کئی رقعے کاتب سے نقل
 کروائے۔ شروع میں اس کتاب کا خطبہ لکھ کر لکایا۔۔۔ اس کا جو نسخہ
 میرے پاس ہے، اس میں تقریباً ہر رقعے کی ابتدائی سطروں کے مقابل
 حاشیے پر ”نوشہ شد“ اور لال روشنائی سے ”مقابلہ نمودہ شد“ لکھا ہوا ہے۔
 کہیں کہیں کوئی عبارت قلم زد کی گئی ہے، کہیں کوئی لفظ۔۔۔ دو رقعے سراسر
 کاٹ دیے گئے۔۔۔ اس کتاب میں جہاں کہیں حک اور اصلاح ہوئی
 ہے، مرزا غالب کے قلم سے معلوم ہوتی ہے۔ اصلاح کے جو لفظ کہیں کہیں
 آئے ہیں، انہیں کے خط میں ہیں۔۔۔“

(مکتوب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، نوشہ ۸ ستمبر ۱۹۴۳ء۔ مشمولہ مجلہ نقوش
 لاہور، خطوط نمبر، جلد سوم، ص ۲۵)۔

یعنی غالب نے ”صاحبان تازہ وارہ ولایت“ کے لیے ایک باقاعدہ نصابی
 ”کتاب“ مرتب کی تھی۔۔۔ میری رائے میں یہی بات سرخ حقیقت رکھتی ہے۔ یہ بات طے شدہ
 ہے کہ مولوی ضیاء الدین خاں نے اپنی کتاب ”انتشارِ اردو“ میں غالب کی جو شراٹ کی، وہ مرزا
 صاحب کی اسی ”کتاب“ سے ماخوذ تھی۔ یہ بھی طے شدہ ہے کہ یہ ”کتاب“ ان کے پاس تھی
 اور انہوں نے اسی کو کتابت کے لیے کاتب کے حوالے کر دیا تھا۔ کاتب نے اسی نسخے پر ”نوشہ شد“
 لکھا ہے اور کاتب ہی نے پامچھ نے ”مقابلہ نمودہ شد“ کے الفاظ لکھے ہیں۔ مکمل کتاب مولوی
 صاحب کے پاس کس طرح پہنچی؟ اس کا امکان ہے کہ مولوی صاحب نے مرزا صاحب سے
 اجازت نثر کی فرمائش کی ہو، اس صراحت کے ساتھ کہ ان کو ایک نصابی مجموعے میں شامل کرنا
 ہے۔ مرزا صاحب نے کچھ اور خیال کیا ہو اور ایک پوری ”کتاب“ مرتب کر کے بھیج دی۔ یہ بھی
 ممکن ہے کہ مرزا صاحب نے بطور خود یہ مجموعہ مرتب کیا ہو اور جب ان کو صحیح صورت حال کا علم

ہوا ہو، تو مولوی صاحب کی فرمائش کے سلسلے میں اس مجموعے کو ان کے پاس بھیج دیا ہو کہ وہ خود انتخاب کر لیں۔ یہ ہر طور، یہ سب قیامات ہیں۔ جو معلومات سامنے ہے، اس کی روشنی میں فی الوقت قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مرزا صاحب کا مرتب کیا ہوا وہ مجموعہ مولوی صاحب ہی کے پاس محفوظ رہا (یعنی نہ مولوی صاحب نے از خود اسے واپس کیا اور نہ مرزا صاحب نے تقاضا کیا)۔ مولوی صاحب کے انتقال کے بعد، جب ان کی کتابیں سید سجاد صاحب دہلوی کے توسط سے (جو ان دنوں حیدرآباد میں تھے) پہ فرض فروخت حیدرآباد آنے لگیں، یہ مجموعہ بھی ان کے کتاب خانے کی بہت سی دوسری کتابوں کے ساتھ حیدرآباد پہنچ گیا۔ آخر کار ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے اسے خرید لیا (اس کی تفصیل آگے آتی ہے)۔

یہاں تک بیان ہوا کتاب کی حقیقت کا، اور ہر ترتیب سے متعلق قیاسی تفصیلات کا۔ اس مجموعے سے متعلق دو باتوں کا بیان ابھی باقی ہے۔ ایک تو یہ کہ اس مجموعے کے قطعی نسخے کا احوال کیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ قطعی نسخہ دہلی سے حیدرآباد کس طرح پہنچا۔ ان دونوں باتوں کے ضروری تعلقات کو لکھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ پہلے اس انتخابی مجموعے کی مختلف اشاعتوں کی تفصیل لکھی جائے۔ یہ یوں ضروری ہے کہ مختلف اشاعتوں کی ضروری تفصیل کے بغیر ان دونوں باتوں سے متعلق بعض تفصیلات مربوط طور پر معرضہ بیان میں نہیں آ پائیں گی۔

زیر نظر اشاعت (ادارہ یادگار غالب، کراچی ۲۰۰۱ء) سے پہلے یہ انتخابی مجموعہ چار بار چھپ چکا ہے۔ سب سے پہلے یہ ”انتخاب غالب“ کے نام سے ”پہ چشمہ مقدمہ از محمد عبدالرزاق ایچ سی ایس، مددگار محاسب سرکار عالی حکومت آصفیہ“ چھپنے پر لکھنؤ ہندو بازار حیدرآباد کوکن میں چھپا تھا۔ سال طبع ۱۳۳۵ھ/۱۹۲۶ء۔ یہ نسخہ پیش نظر ہے (اس سے متعلق تفصیلات آگے آ رہی ہیں)۔ دوسری بار یہ اسی نام سے ”اقبال“ اکینڈی، پلٹرز منزل، تاج پورہ، لاہور“ کی طرف سے شائع ہوا اس پر سوا شامت درج نہیں، لیکن اقبال اکینڈی کے سکریٹری ”سید محمد شاہ“ ایم اے“ نے اس اشاعت سے متعلق ”دوست کا پیش لفظ“ لکھا ہے، جس کا عنوان ہے: ”ناشرین کی طرف سے“ اس

کے آخر میں "۲۵ نومبر ۱۹۳۳ء" درج ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ قلم کی جانتی ہے کہ یہ ۱۹۳۳ء کی شروعات کی تاریخوں میں شائع ہوا ہوگا۔ سید محمد شاہ کے پیش لفظ کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ اسے مہدارزاق صاحب کی اجازت سے شائع کیا گیا۔ یہ نسخہ پیش نظر ہے۔

تیسری بار اسے "انتخاب رقعات و اشعار غالب" کے نام سے کالی داس پکٹا رضا صاحب نے بمبئی سے شائع کیا۔ اس پر تاریخ اشاعت ۱۵ مارچ ۱۹۹۲ء درج ہے۔ رضا صاحب نے اپنے پیش لفظ میں، جس کا عنوان ہے: "کچھ اس نسخے کے بارے میں" لکھا ہے کہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے جب اسے خود چھاپنے کا ارادہ کیا تو:

"ان کے ذہن میں یہی ہوگا کہ اس مخطوطے کے صفحات کے عکس بھی چھاپ دیے جائیں۔ چنانچہ ان کی نظر انتخاب و اشعار امجدوریم (۵)۔۔۔ پر پڑی اور ڈاک میں یا کسی کے ہاتھ مخطوطہ بھیج دیا۔ پھر شاید معاملات طے نہ ہو سکے یا کیا ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے مخطوطہ واپس منگالیا۔ مگر اس اثنا میں مخطوطے کے ٹکٹیوں میں پچکے تھے ماب ان اخراجات کا ذمہ دار کون ہوا؟ سید جمیل الدین بغدادی مرحوم نے — اخراجات ادا کر کے ٹکٹیو حاصل کر لیے۔ اس سے خوشتر جمیل صاحب مخطوطے کی طباعت کے سلسلے میں اس کی ہوسہ نقل اپنے قلم سے تیار کر چکے تھے، وہ بھی انھی کے پاس رہ گئی۔ مخطوطے کی ہوسہ ایک اور نقل کسی اور کے قلم سے بھی ان کے پاس تھی، یہ نہ جانے کس نے تیار کی تھی۔۔۔ تمام کوائف مجھ سے خود جمیل صاحب نے بیان فرمائے تھے۔ ۱۹۷۳ء میں جب میں نے ۲۵۴ کتابوں اور رسالوں پر مشتمل ذخیرہ غالبیات جمیل صاحب سے حاصل کر لیا تو انھی میں یہ تین نسخے بھی شامل تھے، جو اب نذر احباب ہیں۔"

(انتخاب رقعات و اشعار غالب، ص ۶)

رضا صاحب نے اپنے مرتبہ نسخے میں غلطی کا عکس بھی شامل کر دیا ہے، مگر پیش تر صفات کے عکس سیاہی زدہ ہیں۔ عکس کے ساتھ جلیل صاحب کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا متن بھی عکسی صورت میں شامل کیا ہے جو غلط فہمی اصل غلطی نسخے کے مطابق ہے۔ انتخاب غالب میں شامل مالک رام صاحب اور صدیقی صاحب کے حواشی کو اگر بہ طور نقل پیش نظر رکھا جائے تو بلاخلف یہ کہا جاسکتا ہے کہ سلسلہ کتابیات کا رضا صاحب کا یہ کام معمولی درجے کا ہے۔

یہ انتخابی مجموعہ چوتھی بار اکتوبر ۱۹۹۳ء میں "انشائے غالب" کے نام سے مکتبہ جامعہ نئی دہلی سے شائع ہوا مرتبہ راقم الحروف۔ اس اشاعت کے سلسلے کی بعض تھکیلات کا پیش کیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ ان کے بیان میں آئے بغیر کئی باتیں واضح نہیں ہو پائیں گی۔ "عرض مرتب" میں مجھ سے ایک بڑی غلطی یہ ہوئی تھی کہ ایک "داستانی روایت" کو میں نے قابل قبول مان لیا تھا؛ اس کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ ان ضروری وضاحتوں کی وجہ سے اس بیان کا طویل ہونا بھی گویا لازم ظہرے گا۔

تالیفات سے دل چسپی رکھنے والے حضرات کے علم میں یہ بات تھی کہ ۱۳۳۵ھ میں حیدرآباد سے جو مجموعہ "انتخاب غالب" کے نام سے چھپا تھا (جس کا حوالہ اوپر آچکا ہے) اس کا اصل غلطی نسخہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے پاس تھا۔ وہ اسے مرتب کر کے شائع کرنا چاہتے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ وہ اسے چھپوانے کی فکر کرتے رہے، لیکن چھپوا نہیں سکے۔ وہ دوسروں کی فرمائشیں جس مستعدی کے ساتھ پوری کیا کرتے تھے، اپنا کام اس طرح نہیں کر پاتے تھے۔ پھر معیار کا ایک مثالی تصور ان کے ذہن میں رہتا تھا اور اس میں تدوین کے ساتھ ساتھ کتابت، کاغذ اور طباعت کے متعلقات بھی شامل رہتے تھے؛ یوں ان کے کام ان کے حسبِ خطا سرانجام کو نہیں پہنچ پاتے تھے۔

میں جس زمانے میں اتر پردیش اُردو اکیڈمی کی پہلی کمیشن تکمیل کا ممبر تھا، یہ خیال آیا کہ مرحوم کے مقالات کو چھپنا چاہیے۔ مرحوم کو میں اپنا معنوی استاد مانا ہوں۔ اللہ کے موضوع پر میں

نے ایک شاگرد کی طرح غلطوں کے توسط سے اُن سے استفادہ کیا تھا (اس کی ضروری تفصیل میری کتاب "اردو اُلا" کے مقدمے میں دیکھی جاسکتی ہے)۔ عجم و درویشوں اور بے حد اسرار پر مروج کے صاحبِ زادے مسلم صدیقی (مرحوم) نے کچھ مضامین کو مرتب کر دیا اور اس طرح ۱۹۸۳ء میں مقالات صدیقی کی پہلی جلد شائع ہوئی، جس میں اُلا اور تحقیق الفاظ سے متعلق اُلا و اہم مضامین شامل ہیں۔ دو جلدوں کے بعد مضامین نکال رہے۔ میں نے اپنی ہی کوشش بہت کی، لیکن بقیہ مضامین کو مرتب نہیں کر سکا، اس کا افسوس مجھے ہمیشہ رہے گا۔

میں نے مسلم مرحوم کو ہار ہا لکھا کہ مضامین نہ سکی، "انتائے صاحب" کو تو چھپا دیں، مگر آہستہ روی میں وہ فرزندِ حلق ہیں۔ انھوں نے ضروری غلطوں کا جواب دینے میں کئی سال لگا دیے۔ پلا خرہ بچنے سال (۱۹۹۳ء) میں اس مجموعے سے استغناء کاغذوں کا ایک پیکٹ میرے پاس بھیج دیا کہ اب آپ اسے جس طرح چاہیں، چھپوائیں۔ اس پیکٹ میں متن کے کتابت شدہ اجزاء بھی تھے اور "انتائے صاحب" کا اصل غلطی نسخہ بھی تھا۔

میرے پاس جو کاغذ مسلم صاحب نے بھیجے تھے، اُن میں قابلِ ذکر چیزیں یہ تھیں: ۱۔ انتائے صاحب کا اصل غلطی نسخہ۔ ۲۔ موی کاغذ پر اس غلطی نسخے کی مکمل کتابت، جو اصل نسخے کے مطابق ہے، یعنی غلطی نسخے میں جس لفظ کو جس طرح لکھا گیا ہے، اُسے اُسی طرح نقل کیا گیا ہے۔ جن مہارتوں پر خط کھینچا ہوا ہے، انھیں بھی اصل کے مطابق دکھایا گیا ہے۔ اصل نسخے میں صفحہ جس لفظ پر ختم ہوا ہے، کتابت میں بھی صفحہ اسی لفظ پر ختم ہوا ہے۔ یعنی صفحہ پر صفحہ یہ کتابت اصل غلطی نسخے کے مطابق ہے۔ جو لفظ غلطو طے میں جین اسطور لکھے ہوئے ہیں، اُن کی کتابت اُسی طرح کرائی گئی ہے۔ یہ حوالہ پر آچکا ہے کہ غلطو طے کی یہ کتابت (جو بالکل اصل کے مطابق ہے) صدیقی صاحب نے اللہ پاد میں اپنی مگرانی میں کرائی تھی۔ متن کی یہ کتابت خاصی پرانی ہو چکی تھی، مگر کتبہ چاند کے شاہد علی خاں صاحب نے یقین دلایا تھا کہ چھپائی میں کسی طرح کی خرابی پیدا نہیں ہوگی۔ جب ۱۹۹۴ء میں یہ مجموعہ چھپ کر آیا تو معلوم ہوا کہ شاہد صاحب کی رائے درست تھی، چھپائی میں

کسی طرح کی خرابی نہیں پیدا ہوئی۔ ۳۔ کتابت شدہ متن کے ساتھ تین کتابت شدہ اجزا اور تھے۔ (الف) مالک رام صاحب کا لکھا ہوا مقدمہ (ب) انھنی کے لکھے ہوئے حواشی (ج) صدیقی صاحب کے لکھے ہوئے حواشی۔ ان سب اجزا کی کتابت منشی کاغذ پر ہوئی ہے۔ ان اجزا کو دیکھ کر واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کتابت بعد کو کرائی گئی ہے: یعنی یہ کتابت مسلم صدیقی مرحوم کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ ان تینوں کتابت شدہ اجزا کے اصل مسودے بھی ساتھ ہی ہیں۔

ان کاغذوں کے ساتھ مالک رام صاحب کے کئی خط بھی ہیں جو انھنی کاغذوں سے متعلق ہیں اور مسلم صدیقی صاحب کے نام ہیں۔ سب سے پرانا خط ۱۸ جون ۱۹۷۱ء کا ہے، اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

”مہرجون کے گرامی ہاے کا شکریہ قبول فرمائیے۔۔۔۔۔“

قبلہ اکثر صاحب کے نسیان پر جتنا افسوس کیا جائے، کم ہے۔۔۔۔۔

انشائے غالب مدت سے میرے علم میں ہے اور خود انھنی نے مجھ سے فرمایا تھا کہ میں جلد ہی اسے عرب کر کے شائع کروں گا۔۔۔ میں ضرور اس پر مقدمہ لکھوں گا۔ یہ نہ صرف میرے لیے باعث مسرت ہو گا بلکہ باعث فخر بھی؛ لیکن اس میں کچھ وقت لگ جائے گا۔“

یہ معلوم ہے کہ آخر عمر میں انتقال سے تین چار برس پہلے صدیقی صاحب کا ”حافظ ہانکل جواب دے گیا تھا، بلکہ خوش و خوش بھی حاضر ہو گئے تھے“ انھنی دونوں میں مسلم صاحب نے مقدمہ لکھنے کے لیے کہا ہو گا۔ ۷ اگست ۱۹۷۲ء کے خط میں مالک رام صاحب نے مطلع کیا ہے کہ مقدمہ مکمل ہو چکا۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۲ء کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ”کوئی دو ہفتے ہونے کو میں نے انشاء غالب کا مقدمہ رجسٹری سے بھیجا تھا۔“ یکم دسمبر ۱۹۷۲ء کے خط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حواشی بھی بھیج دیے گئے ہیں۔ یعنی مالک رام صاحب کا مقدمہ اور حواشی، دونوں چیزیں الوداع ۱۹۷۲ء تک مسلم صدیقی صاحب کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ مالک رام صاحب کے ایک اور خط سے

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصل خطی نسخے کا کس ان کے پاس تھا اور حواشی اسی کی مدد سے لکھے گئے تھے۔

مسلم صدیقی صاحب کے بیچے ہوئے جو کاغذ میرے سامنے ہیں، ان میں متعدد کاغذ ایسے بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر عبدالستار صدیقی مرحوم اس متن کی طرف سے کبھی غافل نہیں رہے۔ بہت سے پرچوں پر اس سے متعلق یادداشتیں لکھی ہوئی ہیں۔ طباعت کے لیے کاغذ کے نمونے بھی ایک کاپ میں لگے ہوئے ہیں۔ انھوں نے دو بار اس متن کو اپنے قلم سے نقل طور پر نقل کیا ہے۔ اس متن سے متعلق انھوں نے جو حواشی لکھے ہیں، ان کی کئی نقلیں انھی کے قلم کی لکھی ہوئی۔ کبھی نہیں، پورے متن کی کتابت پہلے کاغذ پر (لیتھوگرافی چھپائی کے لیے) کرائی گئی ہے۔ کسی دوسرے کاتب سے پھر اس کی کتابت کرائی گئی، مگر اس کتابت کے شروع کے صرف چار صفحے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے وہ اسے لیتھوگرافی چھپانا چاہتے تھے۔ مکمل متن کی کتابت مولیٰ کاغذ (برہنہ) پر کرائی گئی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بعد کو ان کا ارادہ بدل گیا اور وہ اسے دھڑانگ سے چھپانا چاہتے تھے۔ غرض کہ ان سب کاغذوں کا اچھا خاصہ دست بن گیا ہے۔

انتائے غالب کے اصل خطی نسخے کا مکمل عرصہ اس کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے، اس طرح خطی نسخے کا احوال اور اس کے کوائف دیکھے جاسکتے ہیں، یہاں ان کو لکھنے کی ضرورت نہیں کہ یہ محض تکرار ہوگی۔

چوتھی بات جس کا بیان باقی ہے، وہ یہ ہے کہ اصل خطی نسخہ دہلی سے حیدرآباد کس طرح پہنچا اور صدیقی صاحب کو کس طرح ملا اور کب ملا۔ اب اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔

اس خطی نسخے کے سلسلے میں سب سے پہلا بیان ہمارے سامنے عبدالرزاق صاحب کا ہے، جنھوں نے اس نسخے کو مکمل صورت میں پہلی بار ۱۳۳۵ھ/۱۹۲۰ء میں ”چشتیہ پرئیں بھٹہ بازار حیدرآباد کوٹن“ میں چھپوایا تھا۔ اس کا حال وہ یہ آچکا ہے۔ انھوں نے ”تقریب“ کے عنوان سے اپنے قائل نقطہ میں لکھا ہے:

”اس کا مسودہ دہلی کالج کے پروفیسر ضیاء الدین ایل، ایل، ڈی، کے وسیع کتب خانے سے برآمد ہوا ہے اور اب جناب شیخ سید سجاد صاحب ایم، اے، کے قبضے میں ہے۔ جناب موصوف عثمانی یونیورسٹی میں اردو کے اسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ آپ کو اردو کے قدیم سراپے کی حفاظت کا خاص ذوق ہے۔ ہم آپ کے نہایت ممنون ہیں کہ آپ نے یہ مجموعہ اشاعت کی غرض سے ہمیں عطا فرمایا ہے۔۔۔ ہم نے اس کا نام ”انتخاب غالب“ تجویز کیا ہے۔“

۱۰

عبدالرزاق صاحب کے اس بیان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ (الف) اصل خطی نسخہ سید سجاد صاحب کے قبضے میں تھا۔ (ب) یہ نسخہ مولوی ضیاء الدین خاں کے وسیع کتاب خانے سے برآمد ہوا ہے۔ (ج) سید سجاد صاحب نے اشاعت کی غرض سے یہ نسخہ عبدالرزاق صاحب کو دیا تھا (ان بیانات کا جائزہ ابھی لیا جائے گا)۔

روایتی ترمیم کے لحاظ سے اس سلسلے کا دوسرا بیان ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا ہے۔ صدیقی صاحب نے مالک رام صاحب کے نام ایک خط میں لکھا تھا:

”رقعات غالب (انتخاب) میرے پاس بہت مدت سے ہے۔ جب وہ نسخہ میری ملک میں آ رہا تھا، اُسی دوران میں ایک صاحب نے اسے مستعار لے کر نقل کر لیا (چھوٹا سا تو رسالہ ہے) اور چھپوا ڈالا۔ جو شخص میرے ہاتھ بیچ رہا تھا، اُس نے مجھے خبر کی۔ میں نے پتہ چورہاں مانجے کے آئے لیا۔ بعد کو چھپا ہوا نسخہ دیکھا، عارت کر کے چھاپا تھا۔ پھر ایک شخص نے اُن حضرت کی اجازت سے لاہور میں چھاپا۔ صورت بخیر، لیکن غلط جیسا وہ تھا دیکھا ہے۔ اب میں خود چھپوانے کا ارادہ کر رہا

ہوں۔“ (۶)

یہ خط ۸ فروری ۱۹۵۳ء کا ہے۔ صدیقی صاحب نے بہت اختصار سے کام لیا اور اس کی وضاحت نہیں کی کہ ”جو شخص میرے ہاتھ پہنچ رہا تھا“ وہ کون تھا۔ اس طرح قیاس آرائی کے لیے گنہائیں نکل آئی۔ اس کا حق ادا کیا مالک رام صاحب نے اور اس طرح کہ اس مبہم واقعے کے بیان میں کہانی جیسی دل چسپی پیدا ہو گئی۔ مالک رام صاحب نے اس سلسلے میں اپنے مقدمے میں لکھا تھا (اُن کا یہ مقدمہ زیر نظر اشاعت میں شامل ہے):

”حسن اخلاق سے غالب کے انتخاب کا یہ خطی نسخہ“ انشاء اور دو“

کی ترتیب و اشاعت کے بعد مولوی ضیاء الدین خان کے ذخیرے میں محفوظ رہا۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کی کتابوں سے یہ برآمد ہوا اور ایک صاحب اسے لے کر حیدرآباد پہنچے۔ وہاں انھوں نے اسے مولوی محمد عبدالرزاق مرشد کو دکھایا اور انھیں بتایا کہ وہ اسے بچانا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ فتحی کو دیکھ کر اس کی اہمیت تو بھانپ گئے، لیکن وہ اس کے لیے کچھ دینا نہیں چاہتے تھے، انھوں نے مالک سے کہا کہ اسے مختصر وقت میں اسے دیکھنا محال ہے، آپ اسے چھوڑ جائیے، میں امینان سے دیکھ کر فیصلہ کر سکوں گا کہ آیا اس میں کوئی نئی چیز ہے بھی یا نہیں اور اس کی قیمت کیا ہونا چاہیے۔

بات معقول تھی، مالک اس پر راضی ہو گیا اور نسخہ اُن کے حوالے کر کے چلا آیا۔ مخفی چیز ضعیف مرشد صاحب نے راتوں رات اس کی نقل لے لی اور جب مالک اگلے دن اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ کہہ کر اس میں کوئی اہم اور نئی چیز نہیں ہے، انھوں نے خطی نسخہ اسے واپس کر دیا۔

اُس کے دو چار دن بعد وہ شخص اسے لے کر ڈاکٹر عبدالستار

صدیقی کے پاس پہنچا۔ یہ ان دنوں وہاں مٹاپے یونیورسٹی کالج کے پرنسپل تھے۔ انھوں نے الٹ پلٹ کر اسے دیکھا تو فوراً جان گئے کہ یہ مجموعہ خود غالب کا مرتب کیا ہوا ہے۔۔۔ انھوں نے مالک کو اس کے لیے دس روپے پیش کیے۔۔۔ اُس نے ان ۲۹ صفحات کے لیے ڈاکٹر صدیقی سے یہ دس روپے بھی بہت قیمت خیال کیے اور ان کی خوش کش قبول کر لی۔ یوں یہ نسخہ ڈاکٹر صاحب کی تحریل میں آ گیا (۷)۔

(مقدمہ انتخاب غالب، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۱۹۹۳ء، ص ۳۳-۳۵)

تفصیلات اور نحو نیات اس طرح مرتب صورت میں سامنے آئی ہیں کہ ان پر یقین کر لینے کو جی چاہتا ہے مگر مالک رام صاحب نے یہ کہیں نہیں بتایا کہ یہ تفصیلات انھیں مطوم کیسے ہوئیں اور کب مطوم ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ حوالے کے بغیر ان تفصیلات کی کوئی حیثیت نہیں تھی، انھیں تسلیم نہیں کیا جاسکتا تھا، لیکن اس سلسلے میں کہیں اور تفصیلات نہیں ملتی تھیں، اس لیے ان کے اس بیان کے لیے یہ فرض کر لیا گیا کہ وہ درست ہو گا اور یہ سہری لفظی تھی۔

صدیقی صاحب کے ذخیرے میں بہت سے معروف لوگوں کے خطوط اچھی خاصی تعداد میں محفوظ تھے۔ ان کے فرزند جناب مسلم صدیقی نے کچھ خطوط میرے پاس بھیج دیے، مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب میں ”انتخاب غالب“ کو مرتب کر کے برائے اشاعت بھیج چکا تھا۔ ان خطوں میں سید سجاد دہلوی (استاذ شعبہ اردو، مٹاپے یونیورسٹی کالج حیدرآباد) کے بھی تھے خط تھے۔ یہ سب خط ڈاکٹر مہداتر صدیقی کے نام ہیں۔ بعض خط طویل ہیں۔ نفل ایک پ سائز کے کاغذ پر باریک لکائی کے نفل ۲۲ صفحے ہیں۔ پہلا خط ۲۳ راکست ۱۹۳۶ء کا ہے اور آخری خط ۲۹ جنوری ۱۹۳۷ء کا۔ میرے پاس خطوں کا جو پائندہ آیا تھا، اُس میں کئی حضرات کے خط تھے۔ کچھ وقت تو ان کے پڑھنے میں لگ گیا۔ جب سید سجاد صاحب کے خط پڑھنے بیٹا تو اُس وقت تک ”انتخاب غالب“ چھپ کر آ چکی تھی۔ بہت قلیل ہوا، خاص کر یوں کہ میں نے عدم اہلیت کی بنا پر

بالکدام صاحب کی روایت کو درست سمجھ لیا تھا اور عبدالرزاق صاحب کے بیان کو یکسر غیر معتبر فرض کر لیا تھا۔ اگر ان خطوں کو پہلے دیکھ لیا ہوتا تو ان دونوں باتوں سے متعلق تصدیقات کسی اور طرح معروض بیان میں آتیں اور صورت حال کی وضاحت کی جاتی۔ ان خطوں کو پڑھنے سے معلوم ہوا کہ یہ تو قصہ ہی دوسرا ہے، بات ہی بدلی ہوئی ہے اور یہ کہ اس قصے میں مرکزی حیثیت سید سجاد صاحب کی تھی۔ صدیقی صاحب کے خط میں ”جو شخص میرے ہاتھ لچ رہا تھا“ سے مراد سید سجاد صاحب ہیں۔

ان خطوں سے کئی باتیں معلوم ہوئیں: (الف) کوئی صاحب سید صاحب کے پاس کتابیں پر غرض فروخت حیدر آباد بھیجا کرتے تھے اور سید صاحب ان کتابوں کو مختلف افراد اور کتاب خانوں کو دیا کرتے تھے۔ (ب) سید صاحب نے ایک دو خطوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کتاب اس وقت تو یہاں موجود نہیں، جب میں دہلی جاؤں گا تب تلاش کروں گا یا لاؤں گا۔ (ج) سید صاحب نے ان صاحب کا نام نہیں لکھا جو کتابیں پر غرض فروخت بھیجا کرتے تھے (یا جن سے سید صاحب کتابیں منگوا کرتے تھے) مگر انداز بیان سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب کوئی قابل ذکر حیثیت رکھتے تھے (د) ایک خط کے ساتھ دو صفحوں پر مشتمل ۳۳ کتابوں کی فہرست بھی ہے۔ اس فہرست میں نمبر ۳۳ پر ”غالب کے دو خطوط“ بھی ہیں جن کے لیے لکھا گیا ہے کہ یہ غالب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور ”جہاں تک میں سمجھتا ہوں نامعلوم“۔ (و) جس خط کے ساتھ یہ فہرست منسلک ہے، اس میں ایک جگہ سید صاحب نے لکھا ہے:

”آپ کے ارشاد کے مطابق اب کے پچھرے میں سامنے برہان متقی تیز، سعادت علی اور سراج کی تحریریں دہلی میں تلاش کروں گا اور کام پایا ہوگی تو آپ کی خدمت میں عرض کروں گا، لیکن یہ جملہ امور دہلی جانے پر متوقف ہیں۔“

یعنی لوگ سید صاحب سے کتابوں کی فرمائش بھی کیا کرتے تھے اور سید صاحب خود بھی دہلی میں قابل فروخت کتابوں (وغیرہ) کی تلاش کیا کرتے تھے۔ ۳۰ ستمبر کے خط میں لکھا ہے:

”آپ کی مطلوبہ کتب میں سے تین کتابیں۔۔۔۔۔ حیدرآباد میں موجود نہیں ہیں۔ اُن کا مجھے دہلی سے انتظار تھا۔۔۔۔۔ ان کے مالک نے گزشتہ تین ماہ میں ان کے بیچنے کے متعلق دوسرے لکھا۔۔۔۔۔ محرومہ و پیرا نہ کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنی پہلی کتابوں کی فروخت اور ان کی رقم پہنچ جانے کے منتظر ہیں۔۔۔۔۔ یہ کتابیں اُن کے پاس موجود ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ اُن کو میرے سوا کسی کے ہاتھ نہیں بچیں گے۔“

ان اقتباسات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کتابوں کی باقاعدہ خرید و فروخت کیا کرتے تھے اور عموماً کتابیں دہلی سے آتی تھیں یا وہ خود جا کر تلاش کر کے لاتے تھے۔

”انتظارے غالب“ کے خطی نسخے کا ذکر ان کے ۳۳ مارچ ۱۹۰۶ء کے خط میں موجود ہے۔

غالب کے دو خطوں اور بعض دوسری کتابوں کے متعلق اطلاع دیتے ہوئے لکھا ہے:

”میرے پاس غالب کے رقعات و تقاریر اور اشعار کا ایک

مختصر انتخاب پہنچا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں اپنے سابقہ عزیز سے اس

کا ذکر کر چکا ہوں یا نہیں۔ یہ انتخاب خاص غالب کی نظم کا لکھا ہوا تو نہیں

ہے لیکن کیا ہوا نہیں کا ہے اس لیے کہ اس کے شروع میں غالب نے اپنی

طرز خاص میں ایک دیباچہ اور آخر میں ایک خاتمہ تحریر فرمایا ہے۔ دیباچے

میں وجہ یا ضرورت انتخاب کی صراحت کی ہے۔ یہ دونوں عبارتیں بالکل نئی

چیزیں ہیں۔ تقاریر تمام مطبوعہ ہیں، لیکن خطوط میں ایک خط اردو سے معلیٰ

کی کسی اؤٹ لائن میں نہیں اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ بھی نیا ہے۔ یہ بھی

خدمت والا میں مرسل کرتا ہوں۔ چاہے آپ اس کو خرید لیں یا اس کی نقل لے لیں یا نقل کی ایک قلیل سی قیمت ادا فرما دیں اور اصل کو واپس فرما دیں۔ خطوط و انتخاب کے مالک پر میرا قصور اسازور ہے، میں اس سے کام لے سکتا ہوں۔ یا آپ کی اجازت ہو تو میں ان کی قیمت ادا کر دوں۔۔۔۔۔“

یہ خط تین ورق یعنی چھ صفحے کا ہے۔ آخری صفحے پر ختم عبارت کے بعد حاشیے پر یہ عبارت لکھی گئی ہے: ”خط آج ڈاک میں ڈال رہا ہوں۔ کل رجسٹری کے ذریعے سے (۱) غالب کے (اصل خطوط ۲) خط مطبوعہ ۱۸۶۵ء (۳) انتخاب ۴) رہبان کا طبع بھیجوں گا۔ آج رجسٹری کا وقت نہیں رہا۔“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ”انٹارے غالب“ کے زیر بحث خطوط کو سید صاحب نے ۲۵ اگست ۲۶ء کو بذریعہ رجسٹری بھیجا ہوگا۔ مدد ملی صاحب اس زمانے میں ڈاکہ یونیورسٹی میں تھے۔

اگلا خط ۳۰ ستمبر ۲۶ء کا ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ (اور کتابوں کے ساتھ) یہ خطی نسخہ بھی مدد ملی کے پاس پہنچ گیا تھا۔ مدد ملی صاحب نے اس دوران قیمت کے متعلق دریافت کیا ہوگا، اس خط میں اس سلسلے میں یہ عبارت ملتی ہے:

”انتخاب، خطوط نام مطبوعہ اور نامہ غالب کی قیمت میں نے دریافت کی تھی۔ یہ جواب آیا کہ ان کی قیمت ہی کیا داس کا داروداد ادریخار کی ضرورت اور ذوق پر ہے۔ گویا قیمت مجھے پھر نہ معلوم ہو سکی۔ میری رائے میں آپ اپنے اندازے سے ان سب کی ایسی قیمت مقرر فرما کر بھیج دیجیے جس میں آپ کو نقصان کا اندیشہ نہ ہو، اس کے بعد دیکھا جائے گا۔“

زیر بحث خطی نسخے کے سلسلے میں سب سے اہم خط ۱۸ نومبر ۱۹۲۶ء کا ہے۔ اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے یہ خطی نسخہ پہلے عہد الرزاق صاحب کو دیا تھا اور بعد کو اسے صدیقی صاحب کے پاس بھیجا۔ جب عہد الرزاق صاحب نے اسے چھاپ لیا تو اس کے فوراً بعد انھوں نے اس کی اطلاع صدیقی صاحب کو دی۔ سید صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

”انتخاب رقعات و اشعار مرزا غالب، جس کا مسودہ آپ کی خدمت میں بھیج چکا ہوں، اس کے متعلق ایک عجیب واقعہ پیش آیا ہے اور اس کی اطلاع مجھے کل ہی ملی ہے۔ یہ مسودہ میرے پاس دو ڈھائی سال سے تھا۔ گزشتہ سال مولوی عہد الرزاق صاحب --- میرے پاس تشریف لائے اور اپنے پرچے کے لیے --- مضمون مانگا۔ میں اُن ایام میں حیدرآباد کے باہر جا رہا تھا۔ غلط میں مضمون تو کیا لکھ سکتا تھا، میں نے یہ مسودہ ان کے حوالے کیا اور کہا یہ نایاب چیز ہے، آپ اسے دیکھ کر اس پر ایک نوٹ مرتب فرما لیجیے۔ وہ اسے لے گئے اور بجائے نوٹ ترتیب دینے کے، مسودے کی پوری نقل لے لی اور بغیر میری اجازت کے اپنے پرچے میں، جو کل ہی شائع ہوا ہے، اسے نقل کر دیا۔ اور نہ صرف اسی مہربانی پر قناعت کی، بلکہ اس کے سونے علیحدہ چھپوا کر اسے دکن کی ایک انجمن ارباب ادب کے حلقے میں داخل کر دیا۔ اس کے شائع ہونے کا تو مجھے رنج نہیں ہے، لیکن اشاعت نے جو صورت اختیار کی، وہ قابل غصوں ہے۔ بہر حال وہ مسودہ اب آپ کے لیے بے کار ہو گیا، آپ اسے اپنے مجموعے میں شامل نہ فرمائیں اور مٹا دیتے فرما کر اسے واپس فرمادیں۔ نیز خطہ وغیرہ کی قیمت میں سے اس کی قیمت وضع فرمائیں۔“

سید صاحب کے لکھنے کے مطابق یہ خطی نسخہ ”دو ڈھائی سال سے“ ان کے پاس تھا، یعنی ۱۳۳۰ء کے آغاز میں آیا ہو گا۔ انھوں نے ”گزشتہ سال“ اسے عہد الرزاق صاحب کو دیا تھا، یعنی یہ

واقعہ ۲۵ کا ہے۔ یہاں مجھے دو باتوں پر توجہ ہے۔ سید صاحب غلطی نسخوں کی عمومی قدر و قیمت سے خوب واقف تھے اور اس نسخے کی اہمیت سے بھی بے خبر نہیں تھے۔ اس صورت میں ایسے اہم مخطوطے کو اس آسانی کے ساتھ کسی کے حوالے کر دینا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ معذرتی الفاظ کس قدر کم زور اور کس قدر رنجی ہیں۔ اسی سلسلے میں یکم دسمبر ۱۹۶۶ء کے خط میں سید صاحب نے لکھا ہے:

”اس وقت تو مجھے اس کے معلق ایک خلیف ہی پر یثانی یہ ہے کہ عبدالرزاق نے نہ اس کے چھاپنے کی اجازت لی اور نہ اس کے دام لدا کیے۔۔۔ اور مسودہ ایک بڑے، ٹھکانہ الو حضرت کا ہے۔ اُن کو معلوم ہوا کہ مسودہ اس طرح چھاپ لیا گیا ہے اور اُس کے بعد انھیں نہ دام پہنچیں اور نہ مسودہ، تو ممکن ہے کہ وہ کچھ سر اٹھائیں۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ عبدالرزاق اس کی کچھ قیمت لدا کر دیں۔ اگر وہ وصول ہوگی تو پھر مسودہ آپ اپنے ہی پاس رکھیے گا۔“

”اور نہ اس کے دام لدا کیے“ سے یہ ظاہر تو یہ مترشح ہوتا ہے کہ شروع ہی میں مخطوطے سے متعلق داسوں کی کچھ بات اُن سے ہوئی تھی، یہاں تک بات ہے کہ عبدالرزاق صاحب زیادہ سمجھ دار نکلے اور انھوں نے مسودہ واپس کر دیا۔ غریب انھیں، اور پھر کچھ وقت کے بعد اُسے چھاپ لیا۔ ۲۹ جنوری کے خط سے میرے اس شک کی تائید ہوتی ہے:

”انتخاب کا معاملہ طے شدہ تصور نہ فرمائیے۔ عبدالرزاق صاحب کے پاس سے مجھے جنوز کچھ نہیں وصول ہوا۔ دو ایک بار آدمی بھی بھیجا، مگر انھوں نے یہ کہلوایا کہ میں خود آ کر ملوں گا اور اس کا جواب دوں گا۔“

سید شاہ صاحب کے بیانات سے واقف کی مکمل صورت گری نہیں ہو پاتی۔ یقین کے

ساتھ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ واقعاتی طرح واقع ہوا تھا جس طرح اُسے سید صاحب نے لکھا ہے۔ سید صاحب حیدرآباد میں موجود تھے، عبدالرزاق صاحب بھی حیدرآباد میں تھے جب عبدالرزاق صاحب نے ”انتخاب غالب“ کے چٹیں نقطہ میں یہ لکھا تھا کہ یہ مخطوطہ جو مولوی ضیاء الدین خاں کے کتب خانے سے آیا ہے اب سید شاہ صاحب کے ”قبضے میں ہے“ اور:

”ہم آپ کے نہایت ممنون ہیں کہ آپ نے یہ مجموعہ اشاعت کی غرض سے ہمیں احاطہ فرمایا ہے۔“

اس سے یہ بات تو واضح طور سے سامنے آ جاتی ہے کہ عبدالرزاق صاحب کو معلوم تھا کہ سید صاحب کے پاس دہلی سے کتابیں آتی ہیں۔ انھیں سے یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ یہ خطی نسخہ مولوی ضیاء الدین خاں کے کتب خانے کا ہے۔ اس صورت میں اس خیال کا پتہ ہونا ناگزیر معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے یہ خطی نسخہ بعض نوٹ تیار کرنے کے لیے نہیں دیا ہوگا۔ کچھ اور بات ہوتی ہوگی جس کا کافی وقت ہمیں علم نہیں۔

سید شاہ صاحب کے حیاتات میں ایک اور الجھن سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ انھوں نے ۱۸ نومبر کے خط میں صدیقی صاحب کو مطلع کیا ہے کہ گزشتہ سال میں نے عبدالرزاق صاحب کو ”انتخاب رقعات و اشعار مرزا غالب“ کا مسودہ دیا تھا، اس غرض سے کہ وہ اپنے رسالے میں چھاپنے کے لیے اس پر ایک نوٹ مرتب کر لیں۔ انھوں نے نوٹ مرتب کرنے کے بجائے مسودے کی پوری نقل لے لی اور اُس سے چھاپ دیا۔۔۔۔۔ اس کے بعد یکم دسمبر ۱۹۲۶ء کے خط میں اسی خطی نسخے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”میں نے اس کے متعلق عبدالرزاق صاحب کو ایک نوٹ دیا تھا۔ انھوں نے اسے بھی اپنے نام سے چھاپ ڈالا اور جب مجھ سے ملے تو فرمایا کہ میں نے ایسا کیا ہے۔ چاہا سے سرقہ کیجیے یا کھاد۔“

پہلے خط میں سید صاحب نے اس نوٹ کا ذکر نہیں کیا۔ اگر یہ سچ ہے کہ انھوں نے اس

منظومے سے متعلق ایک نوٹ بھی تیار کر کے دیا تھا تو پھر اُن کے اُس بیان سے کیا مطلب نکالا جائے گا جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ میں نے یہ مسودہ عبدالرزاق صاحب کو اس لیے دیا تھا کہ وہ اس سے متعلق ایک نوٹ مرتب کر لیں۔ جب نوٹ مرتب کر کے دے دیا گیا تھا تو پھر نوٹ مرتب کرنے کا مطلب کیا تھا؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے پورا واقعہ اُس طرح نہیں لکھا جس طرح وہ واقعہ ہوا تھا۔ ہمارے لیے فی الوقت یہ معلوم کرنے کی کوئی صورت نہیں کہ اصلاً کیا بات ہوئی تھی اور کیا طے ہوا تھا۔

ایک بات اور: سید صاحب کے اس بیان کی روشنی میں کہ نوٹ میں نے مرتب کر کے دیا تھا اور عبدالرزاق صاحب نے ”اسے بھی اپنے نام سے چھاپ ڈالا“ بظاہر تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ عبدالرزاق صاحب کے چھاپے ہوئے ”انتخاب غالب“ میں اُن کے نام سے جو پیش لفظ پہ عنوان ”تقریب“ ہے، اُس کا پیش تر حصہ اُن کا لکھا ہوا نہیں بلکہ سید سہاد صاحب کا مرتب کیا ہوا ہے، جسے انھوں نے اجازت کے بغیر چھاپ لیا۔

اب رہی مالک رام صاحب کی روایت، سو وہ محض کہانی معلوم ہوتی ہے۔ سب سے بڑی بات اُس میں یہ ہے کہ اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہدی جہاں صدیقی صاحب اُن دنوں حیدر آباد میں تھے جب وہ شخص اُن کے پاس خطی نسخہ پر غرض فروخت لایا تھا اور دس روپے پر قناعت کر لی تھی: لیکن صدیقی صاحب اُن دنوں ڈھاکہ یونیورسٹی میں تھے، حیدر آباد میں تھے ہی نہیں۔ یہ بات خود مالک رام صاحب نے بھی لکھی ہے۔ تذکرہ معاصرین کی دوسری جلد میں صدیقی صاحب کے حالات کے ذیل میں انھوں نے لکھا ہے:

”۱۹۲۳ء میں وہ حیدر آباد سے ڈھاکہ یونیورسٹی کے استاد تھے

پر شعبہ عربی و علوم اسلامی کے صدر بن کر وہاں چلے گئے۔۔۔ ڈھاکہ

میں تقریباً چار برس کے قیام کے بعد وہ ۱۹۲۸ء میں صدر شعبہ عربی و فارسی

کی حیثیت سے الٹا آباد آئے۔“ (ص ۶۳)

مقالات صدیقی جلد اول کے آغاز میں اُس کے مرتب اور صدیقی صاحب کے صاحب زاوے جناب مسلم صدیقی نے بھی لکھا ہے۔ سید ہما صاحب کے خط میں سراٹھا کر ہے کہ یہ غلطی نسخہ (بعض اور کتابوں کے ساتھ) ڈاک سے رجسٹری کے ذریعے اُن کے پاس بھیجا گیا تھا۔ اس صورت میں ایک صاحب کا مخطوط لے کر آنا، پہلے عبدالرزاق صاحب کے پاس جانا، اُن کارات بھر میں اُس کی نقل لے لینا اور پھر اُسے لوٹا دینا، دوسرے دن اُن صاحب کا صدیقی صاحب کے پاس آنا، چوری کہانی سنانا اور پھر دس روپے قبول کر لینا، یہ سب داستانیں ہاتھیں معلوم ہوتی ہیں۔ صدیقی صاحب تو حیدرآباد میں تھے ہی نہیں، وہیں روپے کس نے دیے اور بات کس سے ہوئی۔ معلوم نہیں یہ کہانی مالک رام صاحب کو کس نے سنا کی تھی۔ مرحوم کی یہ عادت تھی کہ وہ سنی سنا کی روایتوں پر بآسانی اعتبار کر لیتے تھے، انھیں درج کتاب کر لیا کرتے تھے اور حوالہ دیتے نہیں تھے۔ میں نے ایک بار اس پر اعتراض کیا تھا تو انھوں نے اُس کا جواب یہ دیا تھا کہ اپنا طرہ کار (۸) ہے۔ اسی طرہ کار کے باعث (جو سراسر غیر تحقیقی ہے) تذکرہ معاصرین کی چاروں جلدوں میں اور تذکرہ بادو سال میں کم زور یا غیر معتبر روایتیں شامل ہو گئی ہیں اور اس نے ان لکھائوں کی (اور اُن کی اور بہت سی تحریروں کی) استناد کی حیثیت کو بے حد مشکوک بنا دیا ہے۔ وہی صورت حال یہاں بھی رونما ہوئی ہے۔

اس بحث کی غنیمت اس طرح کی جاسکتی ہے: (الف) اشتاے غالب کا مخطوط سید ہما صاحب کے بیان کے مطابق ۱۹۴۳ء میں کسی وقت اُن کے پاس آیا ہوگا۔ (ب) یہ مخطوط دہلی سے آیا تھا اور اس کے مالک کوئی عام چاپر کتب نہیں تھے، کوئی خاص حیثیت رکھتے تھے۔ اگر عبدالرزاق صاحب کے بیان کو تسلیم کر لیا جائے (اور جس کے ماننے میں بہ ظاہر کوئی قباحہ نظر نہیں آتی) تو یہ غلطی نسخہ دہلی سے مولوی ضیا مالدین صاحب کے کتب خانے سے آیا تھا (ج) سید ہما صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ۲۵ مارچ ۲۶ کو (یا اس کے ایک دو دن بعد) اُس غلطی نسخے کو ڈاکٹر عبدالعزیز صدیقی کے پاس یہ فرض فروخت پڑا اور ڈاک بھیجا تھا۔ (صدیقی صاحب

اُس زمانے میں ذہاکر یونیورسٹی میں تھے) (د) ۱۸ نومبر ۲۶ء کے خط میں سید صاحب نے صدیقی صاحب کو مطلع کیا کہ میں نے عبدالرزاق صاحب کو وہ خطی نسخہ ”گزشتہ سال“ (یعنی ۲۵ء میں کسی وقت) دیا تھا اور اب انھوں نے اسے اپنے رسالے میں چھاپ لیا ہے میری اجازت کے بغیر اور اس کے سونے الگ سے چھاپ لیے ہیں۔ (و) عبدالرزاق صاحب کا بیان یہ ہے کہ سید صاحب نے وہ خطی نسخہ مجھے چھاپنے کے لیے دیا تھا۔ (د) یہ بات ان خطوں سے معلوم نہیں ہو سکی کہ جب صدیقی صاحب نے اس ”حادثے“ کے باوجود خطوطے کو اپنے پاس رکھنا چاہا (اور رکھا) تو اس کے لیے کتنی رقم ادا کی تھی۔

مالک دہم صاحب نے اپنے مقدمے میں لکھا ہے:

”راشد صاحب نے اپنی نقل پہلے تو تین خطوں میں حیدر آباد کے رسالے ”تھنڈ“ میں چھپائی (اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۳۶ء)۔ اس کے بعد اس پر ایک مختصر دیباچہ لکھ کر اسے کتابی شکل میں یہ عنوان ”انتخاب غالب“ شائع کیا۔“

یعنی یہ قول اُن کے یہ مجموعہ حیدر آباد میں دوبار چھپا۔ پہلی بار رسالہ ”تھنڈ“ کے تین شماروں میں اور اُس کے بعد باقاعدہ کتابی شکل میں۔ جب راشد صاحب نے اسے کتابی شکل میں چھپوایا، تب اس پر مختصر دیباچہ لکھا۔ مگر ان میں سے کوئی بات صحیح نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انھوں نے رسالہ ”تھنڈ“ کو پہچانم خود نہیں دیکھا (اور جیسی کہ ان کی عادت تھی) کسی سے سن کر یہ سب کچھ لکھ دیا۔ کالی داس گپتا درضا صاحب نے بھی ایسی بات لکھی ہے کہ پہلے یہ کتاب رسالہ ”تھنڈ“ کے تین شماروں میں شائع ہوئی تھی اور ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلا ایڈیشن مطبوعہ چشتیہ پریس حیدر آباد دکن ۱۳۳۵ء کے آخر میں، یعنی ۱۹۴۷ء میں بازار میں آیا ہوگا۔“ (انتخاب درقعات و اشعار غالب، ص ۳) صحیح صورت حال یہ ہے کہ رسالہ ”تھنڈ“ (حیدر آباد دکن) کے ”شوال دہائی مقدمہ“

ذی قح ۱۳۳۳ھ کے مشترک شمارے میں یہ متن چھپا تھا۔ یہ شمارہ میرے سامنے موجود ہے۔ اس شمارے کے سرورق پر قسری مطبعہ لکھا ہوا ہے: نمبر ۱۱، ۱۰، ۱۱، ۱۲، شوال، ذی قعدہ، ذی قح ۱۳۳۳ھ، جلد ۲۔ اس اندراج سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ ”قح“ کا یہ متن میرے کا مشترک شمارہ تھا۔

اسی سرورق پر نمبر ۳ مضامین ہیں، جس کا آخری اندراج ہے: ”انتخاب غالب“۔ اس کے صفحہ نمبر ۴۴۴ میں ”پہلے“ ”تھ“ ”نظم“ کے عنوان کے آگے صفحہ کا نمبر ”۳۸“ لکھا ہوا ہے۔ رسالہ ص ۴۸ پر ختم ہو جاتا ہے۔ (یادوں کیجئے کہ مکمل ہو جاتا ہے)۔ اس کے بعد پانچ ورق لگایا گیا ہے جس کے متعدد جات کی کیفیت یہ ہے:

”سلسلہ انجمن ارباب اردو نمبر ۲ (۲) انتخاب غالب ربیع الثانی

مرزا اسد اللہ خاں غالب دیوبند کے خطوط، لطائف، اشعار اور نقوش کا

ایک مختصر مجموعہ جس کو انھوں نے خود مرتب کیا تھا اور ربیع الثانی تک طبع نہیں

ہوا پر تھیں۔ مقدمہ راز محمد عبدالرزاق ایچ بی، ایس ایم دہکار صاحب سرکار

مالی حکومت آصفیہ ۱۳۳۵ھ مطبوعہ چشتیہ پریس محمد بازار حیدر آباد

دکن“۔

اس میں کل چھ صفحات ہیں۔ شروع کے چار صفحے سرورق اور مقدمہ مرتب پر مشتمل

ہیں۔ اس کے بعد اصل متن کے لیے نئے نمبر شمار ڈالے گئے ہیں۔ ان نمبروں کے مطابق اصل

متن ص ۴۸ پر ختم ہو جاتا ہے۔ آخری صفحہ ص ۴۸ پر ”مطبوعات انجمن ارباب اردو دوسرے نمبر“ کا اشتہار

ہے۔ اس میں ”انتخاب غالب“ کا اشتہار بھی شامل ہے۔ اس کی قیمت ”۴۰“ (چھ آنے) لکھی گئی

ہے۔ مطلب یہ نکلا کہ رسالہ ”قح“ کے مشترک شمارہ ۱۰، ۱۱، ۱۲ کے آخر میں اس انتخاب کو ایک

مجموعے کی صورت میں، الگ سرورق کے ساتھ شامل کر دیا گیا اور پھر اس آخری حصے کو علاحدہ سے

کتابی صورت میں بھی شائع کیا گیا۔ سرورق تو موجود ہی تھا، ورنہ پانچ بھی تھا اور صفحات نمبر بھی اس

کے مطابق پڑے ہوئے تھے۔ یہ وہی طرح کار ہے جس سے آج بھی بعض دفعہ کام لیا جاتا ہے کہ کسی رسالے کے آخر میں کھل متن کو نئے صفحات نمبر کے ساتھ شامل کر لیا گیا اور اس حصے کی الگ سے کچھ کاپیاں چھپا لی گئیں اور اس طرح کتاب بھی بن گئی۔ سید سجاد صاحب نے اپنے ۱۸ نومبر ۲۶ء کے خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے سو (۱۰۰) نئے ملاحظہ و چھپوائے گئے تھے۔

رسالہ ”تقذ“ کا یہ مشترک شمارہ میرے سامنے ہے، اس کے آخر میں ”انتخاب غالب“ شامل ہے۔ (اس میں ”انتخاب غالب“ کے صفحات پڑا اکثر صدیقی مرحوم کے بہت سے حواشی لکھے ہوئے ہیں) الگ سے جو مستقل رسالے (یا کتاب) کی صورت میں اسے لایا گیا تھا، اس کا بھی ایک نسخہ میرے سامنے ہے۔ ان دونوں کے موجود ہونے سے یہ آسانی ہوئی کہ مقابلہ کر کے یہ اطمینان کر لیا گیا کہ یہ وہی صفحات ہیں جو رسالے (تقذ) کے ساتھ خیرازہ بند تھے اور اب مستقل رسالے (یا کتاب) کی صورت میں سامنے ہیں۔ چوں کہ رسالہ ”تقذ“ کا یہ شمارہ پیش تر لوگوں کی نظر سے نہیں گزرا تھا، اس لیے اس غلط فہمی نے رونق پلایا کہ یہ انتخاب حیدر آباد میں دو بار چھپا تھا۔ ایک بار رسالہ ”تقذ“ میں اور ایک بار الگ سے کتابی صورت میں۔ یہ غلط فہمی بھی پکلی کہ یہ انتخاب رسالہ ”تقذ“ کے تین شماروں میں (قطہ دار) چھپا تھا۔ صحیح صورت حال یہ ہے کہ عبدالرزاق صاحب نے حیدر آباد میں اسے ایک ہی بار چھپا یا تھا رسالہ ”تقذ“ کے ساتھ۔ یہ شمارہ تین مہینوں کا مشترک شمارہ تھا۔ ساتھ ہی ”انتخاب غالب“ کے حصے کو الگ سے کتابی شکل میں پیش کیا، اس طرح یہ ایک مستقل کتاب بن گئی۔

اس سلسلے کی دوسری بات ہے سند طاعت۔ رسالہ ”تقذ“ کے سرورق پر صرف یہ مرقوم ہے: ”شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ“۔ اس کا واضح طور پر مطلب یہ ہے کہ یہ ان تین مہینوں کی نشان دہی ہے جن کا تعلق اس شمارے سے ہے۔ ”۱۳۳۳ھ“ سند طاعت نہیں، یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ شمارہ ۱۳۳۳ھ میں چھپا تھا۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ۱۳۳۳ھ کے ان آخری تین مہینوں کا یہ مشترک شمارہ ہے۔ ”انتخاب غالب“ کے سرورق پر سال طبع ۱۳۳۵ھ چھپا ہوا ہے، اس کا مطلب

یہ ہے کہ رسالہ ”تحفہ“ مع انتخاب غالب ۱۳۳۵ء میں چھپا تھا۔

سید سجاد صاحب نے ۱۸ نومبر ۲۶ء کے خط میں صدیقی صاحب کو ”انتخاب غالب“ کے چھپ جانے کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا ہے کہ عبدالرزاق نے اسے ”بغیر میری اجازت کے اپنے پرچے میں، جو کل ہی شائع ہوا ہے، اسے نقل کروایا۔“ ”کل ہی شائع ہوا ہے“ کا مطلب یہ ظاہر بھی ہے کہ ۱۷ نومبر ۲۶ء کو رسالہ ”تحفہ“ کا وہ شمارہ شائع ہوا تھا جس کے ساتھ ”انتخاب غالب“ چھپا تھا۔ (اس قسم میں زیادہ سے زیادہ ایک دو دن کا فرق ہو سکتا ہے) میرے سامنے انجمن ترقی اردو پاکستان کی شائع کی ہوئی تقویم ہے، اس کے مطابق ۱۳۳۵ء مشکل ہے ۱۲ جولائی ۱۹۲۶ء سے جون ۱۹۲۷ء کے مرمے پر۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۳۳۳ء کے آخری تین مہینوں پر مشتمل رسالہ ”تحفہ“ کا زیر بحث شمارہ ۱۳۳۵ء کے پانچویں مہینے میں شائع ہوا تھا۔ یہی سنہ شامت ”انتخاب غالب“ کا قرار پاتا ہے، یعنی ”انتخاب غالب“ عبدالرزاقی صاحب کے اجتام سے نومبر ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا تھا۔

اول میں سید سجاد دہلوی کے خطوں کا مکمل متن پیش کیا جاتا ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ ”انتخاب غالب“ کے خطی نسخے سے حقائق ان خطوں میں جو اہم معلومات ملتی ہے وہ محفوظ ہو جائے۔ اس بحث سے دل چسپی رکھنے والے حضرات مطلقہ حقائق سے اچھی طرح واقف ہو سکیں۔ غیر مستقر روایتیں کس طرح فروغ پاتی ہیں اور معلومات کے سچ و ختم کس طرح اصل بات کو الٹھا دیتے ہیں، یہ سب باتیں اچھی طرح واضح ہو جائیں۔ یہ سب خط ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے نام ہیں جو ان دنوں ذمہ دار کوئی درستی میں تھے۔ خط نمبر ۱ کے ساتھ ایک ورق الگ سے منسلک ہے جس کے دونوں طرف کتابوں کے نام لکھے ہوئے ہیں اور بعض کے سامنے قلمیں بھی لکھی گئی ہیں۔ اس خط میں اس ورق کا حوالہ بھی آیا ہے۔ اس ورق کے دونوں صفحے یکسی صورت میں اس خط کے ساتھ ہی پیش کیے گئے ہیں۔ اصل خط میں نے انجمن ترقی اردو کوئی دہلی کے کتب خانے میں محفوظ کرنا دیا ہے۔

(۱)

کنگ کوٹھی روڈ حیدرآباد دکن

۲۳ اگست ۱۹۶۶ء

جناب مخدومی شفقتی زوالطہ آداب عرض۔

والا نامہ مجھے کل شام کو ملا اور نوکر نے یہ بیان فرمایا کہ یہ کل کا آیا ہوا رکھا ہے۔ آج پوسٹ میں سے تحقیقات کی اور لکھانے کی مرہ کو دیکھا تو یہ ۱۲ اگست کا حیدرآباد پہنچا ہوا ہے۔ یہ عجیب ماجرا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نوکر اسے رکھ کر بھول گیا۔ افسوس ہے آپ اب تک اس کے جواب کے انتظار کی زحمت اٹھا رہے ہوں گے۔

غالب کے خطوط کے حلق آپ کو یہ معلوم کر کے افسوس ہو گا کہ میں نے ان دونوں کی نقلیں مولوی عبدالحق صاحب کے پاس در سال اردو میں چھپنے کے لیے بھیج دیں۔ تین قطعے ہوئے وہ حیدرآباد پتھر لائے تھے۔ ان خطوط کو اور ان کے نامہ مطبوعہ ہونے کو دیکھ کر بے چکن ہوئے اور مجھ سے نقلوں کی فرمائش کی۔ میں نے فوراً اس کی تعمیل کر دی۔ خدا جانے وہ ان کو جلائی کے نمبر میں چھاپیں گے یا اکتوبر کے نمبر میں۔ جلائی کا پرچہ ہنوز کتب خانے میں موصول نہیں ہوا تاہم میں اصل خطوط آپ کی خدمت گرامی قدر میں بھیجے دیتا ہوں۔ آپ بھی انہیں ملاحظہ فرمائیں اور ایک ایسی نقل قیمت پر خرید فرمائیں جس کا مجھے علم نہیں لیکن جو مالک خطوط کو بہت زیادہ ناگوار نہ کرے۔ آپ کو انکی چیزوں کا وسیع تجربہ ہے اور قیمت کے حلق آپ کا فیصلہ میرے نزدیک نہایت معتبر ہو گا۔

میں نے غالب سی کا ایک خط اور نکالا ہے اور وہ ملن قریب حیدرآباد آنے والا ہے۔ میں اسے مجھے جناب کی خدمت میں روانہ کر دوں گا اور عبدالحق صاحب کو نہ دوں گا اس لیے کہ مجھے یہ معلوم کر کے نہایت مسرت ہوئی کہ آپ کے (۹) اس قطع کے طور رقعات موجود ہیں اور آپ ان کو

طبع فرمانے کا قصد رکھتے ہیں۔

میرے پاس غالب کا ایک خط نہایت طویل تقریباً ۲۰ یا ۲۵ صفحے کا اور ہے۔ اسے اس میں خدمت میں بھیجا ہوں۔ یہ مطبوعہ رقصات میں شامل نہیں ہے، لیکن جیسا کہ آپ ملاحظہ فرمائیں اسے ۱۸۶۵ء میں ایک مروجہ غالب کی حیات میں چھپ چکا ہے۔ اس کی نقل حکیم احسن اللہ خاں غدار نے کرائی تھی اور یہ وہی نقل ہے۔ ۵۰ سال کے بعد اور نایاب ہونے کی وجہ سے یہ بھی تقریباً نایاب ہے۔ خواہ آپ اس کو خرید لیں خواہ اس کی نقل حاصل فرمائیں۔ اگر آپ خرید لیں تو زیادہ مناسب ہے۔ میرے پاس غالب کے رقصات، نظاریہ اور اشعار کا ایک مختصر سا انتخاب بھی پہنچا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں اپنے سابق حریفے میں اس کا ذکر کر چکا ہوں یا نہیں۔ یہ انتخاب خاص غالب کی قلم کا لکھا ہوا تو نہیں ہے لیکن کیا ہوا انھیں کا ہے۔ اس لیے کہ شروع میں غالب نے اپنی طرز خاص میں ایک دیباچہ اور آخر میں ایک خاتمہ تحریر فرمایا ہے۔ دیباچے میں وجہ یا ضرورت انتخاب کی صراحت کی ہے۔ یہ دونوں عبارتیں بالکل نئی چیزیں ہیں۔ نظاریہ تمام مطبوعہ ہیں لیکن مخطوط میں ایک خط اردو نے مصلیٰ کی کسی اڈیشن میں نہیں نکلا اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ بھی نیا ہے۔ اس انتخاب میں رقصات کے بعد دو ایک نظمیں اور ایک۔۔۔ حکایت بھی ہے۔ ان کا ذکر مولوی حالی نے یادگار غالب میں فرمایا ہے لیکن نہایت سرسری طور پر۔ غالب نے انھیں کو اپنی عبارت اور عظافت کے حیرانے میں لکھا ہے۔ ہر حال آپ ان باتوں کو خود ہی دریافت فرمائیں گے۔ میں نے انتخاب کے مولو کا مقابلہ اردو سے مصلیٰ کی چار مختلف اڈیشنوں سے کیا ہے۔ یہ بھی خدمت والا میں مرسل کرتا ہوں۔ چاہے آپ اس کو خرید لیں یا اس کی نقل لے لیں یا نقول کی ایک قلیل سی قیمت ادا فرمادیں اور اصل کو واپس فرمادیں۔ مخطوطہ و انتخاب کے مالک پر میرا تھوڑا سا زور ہے میں اس سے کام لے سکتا ہوں۔ یا آپ کی اجازت ہو تو میں ان کی قیمت ادا کروں آپ صرف نقول حاصل فرمائیں لیکن آپ ان کو اپنے مجموعے میں طبع ضرور فرمادیں۔

قاصد برہان کا نسخہ میرے ساتھ حیدر آباد میں ہے، اس کی قیمت صرف پانچ روپے

ہے۔ اسے آپ خود ہی لے لیں۔ اگر کوئی دوسرا دوست باب ہو گیا تو بونی درستی کے لیے بھیج دوں گا لیکن مجھے امید مطلق نہیں۔ اسے بھی پڑھنا ضروری خدمت گرامی میں بھیج رہا ہوں۔

شرح قصائد سودا تین یا چار دن گزرے الہ آباد بونی درستی کے پروفیسر اردو میرے ایک دوست سید حفیظ صاحب کے پاس بھیج چکا ہوں۔ اسے سید صاحب نے ۲۵، (۲۵) میں خرید لیا۔ چھوٹی سی کتاب تھی۔ کچھ قصائد اور مثنویات وغیرہ کی شرح تھی۔ میں نے اسے بھی نہایت کراہ پڑا تھا اس میں اشعار متن بھی درج تھے جو مطبوعہ کلیات سودا انتخاب کلیات میں عام طور سے غلط ملتے ہیں۔ اس کی نسبت میں نے تحریک کی ہے ماسے چھپو ادیا جائے۔

دو ایوان صاحب دہلی میں ایک صاحب کے پاس ہے۔ میں نے اس کو نہایت جلدت کی نظر سے دیکھا تھا اور مجھے اس کی قیمت بھی معلوم نہیں۔ اب کوشش کر کے حیدرآباد منگائے لیتا ہوں۔ مزید تفصیل اور قیمت سے جناب کو مطلع کروں گا۔ نوائل افکار کا حال کسی اور طریقے میں عرض کروں گا۔ باقی کتابوں کی قیمت ایک دوسرے پر ہے۔ ہر دو دن کرتا ہوں۔ ان میں سے بعض کتب مثلاً دوسو روپے والی چند نصاب اور تذکرہ شعرا کے لیے مولوی عبدالحق صاحب نے اور طبقات الشعراء کے لیے سید حفیظ صاحب نے فرمائش کی ہے۔ مولوی صاحب نے چند نصاب کی قیمت پر اعتراض کیا ہے اور میں نے اس اعتراض کو مالک کتاب کے پاس بھیج دیا ہے۔ دیکھیے کیا جواب آتا ہے۔ اگر آپ کی بونی درستی کو بھی بعض قیمتیں زیادہ معلوم ہوں تو مجھے ضرور مطلع فرمائیے لیکن میں ان کو ان صاحب کے ہاتھ فروخت کروں گا جن کی بولی سب سے زیادہ ہوگی۔ اس لیے کہ جہاں میرا ایک جانب ضروری فرض ہے کہ انہیں محفوظ کر لیا جائے، وہاں یہ فرض بھی ہے کہ کتاب کے مالکان کو قیمت میں نقصان نہ پہنچے۔

جو کتابیں آپ کے ہاں خرید لی جائیں گی ان کی قیمت ادا ہونے سے قبل میں ان کو آپ کی خدمت میں جیسے کے ذریعے بھیج دوں گا۔ آپ نے ان کو ایسا ہی پایا جیسا میں بتلا چکا ہوں تو اس کے بعد آپ قیمت جیسے کا انتظام فرمائیں۔ سخت قہر ہے کہ ریاضی وغیرہ کی کتابوں پر آپ کی

یونیورسٹی نے توجہ نہیں کی۔ یہ تمام کتابوں سے زیادہ ضروری ہیں خاص کر دینی سوسائٹی کی کتابیں تو اصول ہیں۔ یہ نسخے کہیں نکل گئے تو پھر کہیں سے آئیں گے اور بغیر ان کے آپ کی یونیورسٹی میں تحقیقات زبان و ادب اردو کیوں کر ممکن ہوگی۔ آپ کے ارشاد کے مطابق میں ان کے لیے لکھنؤ، اعظم کڑ، حد فیرہ لکھنؤ گا۔ مجھے ان کتابوں کی جدائی کا بڑا اصرار ہے۔

میں نے ڈاکٹر عبدالحق صاحب کو آپ کی ہدایت کے خلاف آپ کا پیام و سلام نہیں پہنچایا۔ انھوں نے آپ کی مہربانیوں اور پے در پے مظلومیوں کو پروفیسر مارگو لیچ کی تائید و تقاضے اور اپنی خوبی و لیاقت پر محمول فرمایا ہے اور اس کا جہ چا چا بجا کیا ہے۔ حالانکہ جس زمانے میں میں نے آپ کی خدمت گرامی قدر میں ان کے حلق عریضہ لکھا ہے تو یہ غصے کی بے ایمانیوں اور سخت بے انتہائیوں سے بننا ہے۔ بلاں تھے اور ذہا کے کے موقع کو ایک فحش خیال فرماتے تھے بلکہ گریمر اعلیٰ، عین بد نہیں ہے تو آپ کی مہربانی کا آفر دے آنے کی صورت میں شاید دس سال تک ان کو پروفیسری کا گریڈ نہ ملے گا۔ اگر ذہا کے کا معاملہ پیش آتا تو اگر آتا تو اور یہ اس کے ساتھ یہ سلوک نہ کرتے تو مجھے ان کی ترقی سے بے حد غرضی ہوتی لیکن اب تو ایک شکایت ہی پیدا ہو گئی ہے۔ میں آپ کی نظروں میں اپنے آپ کو بھی کسی قدر نام سمجھتا ہوں۔ میں نے ان سے اس معاملے میں دہلی کے خط کے بعد کوئی ذکر نہیں کیا، اس سبب سے آپ کا پیام پہنچانے سے بھی تاخیر رہا۔ مولوی غلام نبی دار محمد ابراہیم صاحب ان کے ماتحت کر دیے گئے ہیں، دونوں سرکشی پرستے ہوئے ہیں۔

حیدرآباد کے حالات آپ نے اخباروں میں ملاحظہ فرمائے ہوں گے۔ یہاں اس پریش کو ایک خطرہ عظیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خدا کرے جو کچھ وہ مسلمانوں کی بہتری کے لیے ہو۔ امید کہ حراز و لا بھانیت ہوگا۔

خادم سید سجاد

خط آج ڈاک میں ڈال رہا ہوں، کل رجسٹری کے

ذریعے سے (۱) غالب کے اصل خطوط (۲) خط مطلوبہ ۱۸۶۵ء

(۳) انتخاب غالب (۴) برہان کا طبع سمجھوں گا۔ آج رجسٹری کا وقت نہیں رہا۔

(۲)

حیدر آباد

۳۰ ستمبر ۱۹۲۶ء

مخدومی دکنی زاد اعلیٰ آداب عرض۔

والا نامہ مجھے دوپہر قسمل گیا تھا۔ آپ کی حمایت و توجہ کا شکریہ۔ میں یہ جواب خدمت گرامی میں بہت تعویق کے بعد بھیج رہا ہوں۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ آپ کی مظلوم کتب میں سے تین کتابیں طبقات اشراء، شعراء عرب اور تاریخ ابوالفدا میرے پاس حیدر آباد میں موجود نہیں ہیں۔ ان کا مجھے دہلی سے انتظار تھا۔ اور دوسرا سبب یہ کہ کمال ایک عشرے سے میری طبیعت ناساز ہے۔ میں کالج بھی نہیں جا رہا ہوں۔ آج بڑی ہمت کر کے یہ عریض لکھنے بیٹھا ہوں لیکن انہوں نے کہ نہ کمر الصدف کتب ابھی تک دہلی سے وصول نہیں ہوئیں۔ ان کے مالک نے کڑی سختی میں ان کے پہنچنے کے متعلق مجھے دوسرے لکھا اور دوسرے سخت سخت رکھا مگر وعدہ پورا کر کے نہ دیا۔ شاید اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنی پہلی کتابوں کے فروخت ہونے اور ان کی رقم پہنچ جانے کے منتظر ہیں۔ اس کے بعد وہ ان کتابوں کو روانہ فرمائیں گے۔ یہ کتابیں ان کے پاس موجود ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ ان کو کھڑے سوا کسی صاحب کے ہاتھ نہیں بچیں گے۔

میرا ارادہ تھا کہ جو کتابیں میرے ساتھ حیدر آباد میں ہیں وہ حسب الارشاد آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا مگر آپ کو یہ معلوم کر کے انہوں نے کہا کہ میں نے یہ ارادہ سب ترک کر دیا ہے۔ چند روز ہونے میں نواب صدر یار جنگ شروانی صاحب سے ملا تھا۔ دوران گفتگو میں ان سے ان کتابوں کا ذکر بھی آیا اور جب ان کو علم ہوا کہ میں انہیں منکر یہ آپ کی خدمت میں ارسال

کرنے والا ہوں تو وہ بہت کام ہوئے اور کہا کہ ان کتابوں پر پہلے مٹانے پر مبنی روشنی کا حق ہے اس کے بعد کسی اور کتب خانے کا۔ میں نے یہاں کی مصلحت بیان کر دی تو انھیں رنج ہوا اور پھر یہ کہا کہ میں باقاعدہ وطن جا رہا ہوں وہاں ہی رہے گا خود کو شش کر کے انھیں کالج کے کتب خانے میں ضرور داخل کروں گا۔ آپ ان کتابوں کو اپنے پاس محفوظ رکھیں۔

جناب کو یاد ہو گا کہ میں ان کتابوں کو اپنے علی کالج کے لیے اور اپنی ضرورت سے لایا تھا، لیکن جب میں یہاں سے واپس ہو گیا تھا تو میں نے آپ کی خدمت والا قدر میں عرض بھیجا تھا۔ اب یہ صورت پیدا ہو گئی ہے، اس لیے مجھے امید ہے کہ ان ذرا شفقت و ہمدردی آپ میرے اس فعل کو خلاف طبع گرامی محسوس نہ فرمائیں گے اور شرعاً فی صاحب نے جو وعدہ فرمایا ہے اس کے پورا ہونے کا موقع عطا فرمائیں گے۔ تاہم قاطع القاطع جو خاص آپ کی ضرورت کی کتاب ہے بہ ذریعہ رجسٹری خدمت میں بھیجتا ہوں۔ اس کی رسید سے اطلاع بخشیں۔ اس کے سوا کوئی اور کتاب جو قاطع القاطع کی مانند خاص آپ کے کام کی ہو اس کے نام سے آگاہ فرمائیں تو شرعاً فی صاحب کی بدایت کے باوجود میں اسے بھی آپ کی خدمت میں ضرور بھیج دوں گا۔

طبقات عرب اور احوال فقہ کی نسبت ایک خط میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کے نسخے میں نے اپنے کتب خانے میں دو سال پہلے داخل کر دیے ہیں۔ جن نسخہ جات کا مجھے دہلی سے انتظام ہے وہ آپ کی خدمت میں بھیج سکتا ہوں اس لیے جب وہ موصول ہو جائیں گے تو آپ کے پاس روانہ کروں گا۔

آپ کے ارشاد کے مطابق اب کے پھرے میں سامع برہان، تنقیح تیز، سعادت علی اور نیاج کی تحریریں دہلی میں تلاش کروں گا اور کام پائی ہوئی تو آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔ مجھے ۱۸۹۵ء کی بچیں ہوئی ایک درودے سنی کا پتا لگا ہے۔ یہ ہاتھ آگئی تو اس کا حال آپ کو لکھوں گا اور درودے سنی کے اصل مواد کے متعلق بھی تحقیقات کروں گا لیکن یہ جملہ امور دہلی جانے پر موقوف

"انتخاب" کا مقابلہ میں نے جن چار اڈیشنوں سے کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں: (۱) مطبوعہ نکلے نو ہے کا چھاپہ (۱۸۸۳ء۔ ۲) مطبوعہ نکلے نو (۳) الہ آباد اور (۴) لاہور۔ یہ مطبوعہ خط غالبی و حق ہے جس کی آپ نے نشان دہی فرمائی ہے۔ مجھے جو کچھ یاد ہے وہ یہ ہے کہ یہ مطبوعہ خط ماقبل آخر یا اُس سے قبل کا خط ہے۔ دیکھا ہے، خالص اور نقل و حکایت کے سوا باقی غلطیاں، درفعات مطبوعہ ہیں۔ "انتخاب" کے پہلے ورق کا ایک چھوٹا سا کٹا اڑا ہوا ہے۔ میرے پاس بھی اسی حالت میں پہنچا تھا۔ قاطع القاطع کی قیمت بھی صاف ہے۔ قاطع برہان اور اس کی قیمت میں سے آپ کا جو مزاج چاہے وہ کم کر دیجیے۔ مالک نے کی کو منظور کر لیا تو آپ کو مطلع کروں گا۔ "انتخاب" خطوط نا مطبوعہ اور تائید غالب کی قیمت میں نے دریافت کی تھی۔ یہ جواب آیا کہ ان کی قیمت ہی کیا۔ اس کا دار و مدار طریقہ اداری ضرورت اور ذوق پر ہے۔ گویا قیمت مجھے پھر نہ معلوم ہو سکی۔ میری رائے میں آپ اپنے انداز سے ان سب کی ایسی قیمت مقرر فرما کر بھیج دیجیے جس میں آپ کو نقصان کا اندیشہ نہ ہو اس کے بعد دیکھا جائے گا۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بعایت ہو گا۔

خادم سید سجاد

(۳)

حیدر آباد

۱۳ مارچ ۱۹۰۹ء

مخدومی و شفقتی زاحطہ۔ آداب عرض۔

تین چار روز ہوئے آپ کا تفصیلی مباحثہ نامہ اور کل ایک کارڈ صادر ہوا۔ آپ کا شعر گزرا ہوں کہ کتابوں کے خدمت میں نہ پہنچنے کو آپ نے شکایت کا موجب قرار نہ دیا۔ جن کتابوں

کے دو ہرے دو ہرے نئے ہاتھ آئیں (۱۰) انھیں آپ کی خدمت میں ضرور پیش کروں گا اور آجیہ قیام دہلی میں آپ کی ضرورت کی تمام چیزیں تلاش کروں گا۔

اردو نے پہلی مطبوعہ ۱۸۵۹ء کانپور دہلی کے قریب سے ایک صاحب کے پاس حیدر آباد میں پہنچا ہے، لیکن انھوں نے کہ خود میں نے اس کو نہیں دیکھا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس میں رقعات کی تعداد کم ہوگی۔ بہر حال جب میں اسے دیکھ لوں گا تو پورا حال آپ کی خدمت گرامی میں پہنچا دوں گا۔ کلکتہ ۱۸۸۰ء کانپور ہمارے کتب خانے میں موجود ہے، وہ آپ ہی کے زمانے کا ہے۔ نکسنوی الاٹشن بہت پرانی ہے، اسے نول کشور نے چھاپا ہے۔ اس میں رقعات کے دونوں حصے ہیں لیکن اس کا کاغذ ناقص، نکسل کی چھاپی بری اور کتابت کی غلطیاں بے شمار۔ لاہور کی ایلاٹشن حال کی ہے۔ لاہوری دروازہ مبارک علی کتب فروش نے چھاپی ہے۔ یہ بھی دونوں حصوں پر مشتمل ہے اور نکسنوی الاٹشن سے بدرجہا بہتر ہے۔

”دلہائے“ میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔ مجھے یقین نہیں کہ مولوی نعمو جان نے DELHI کو اردو میں اس طرح لکھا ہو یا اس کا ترجمہ کیا ہو۔ یہ چھپو راپن ہے اور مولوی نعمو جان کی طبیعت اور وضع داری کے معانی ہے۔ ان کا مطبع جہاں تک مجھے یاد ہے، محلہ روگران میں واقع تھا۔ یہ محلہ نہایت وسیع ہے۔ اس میں ایک جگہ درسہ کہلاتا ہے۔ مولوی صاحب کا مکان اور ان کی جائیداد خود اس میں اور اس کے قریب کی تھی (کذا)۔ گرد و پیش کی گلیوں میں ایک گلی میر داری ہے، ایک احاطہ جن صاحب، ایک محلے کا کوں زیادہ مشہور ہیں۔ روگران کا بہت بڑا حصہ میری والدہ کی انصیاں کی ملکیت تھا۔ میں اس کے ایک ایک گھر سے واقف ہوں، لیکن یہاں ”دلہائے“ نام کا کوئی مقام نہیں۔ کس سے عاقل آپ کی مراد نوگراف ہے، لیکن یہ کس عجیب قسم کا ہے کہ اس میں مولوی صاحب کے نام کا جزو ”نمو“ (جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے) ”نمو“ اترا ہے۔ بہر کیف اگر آپ پوچھناں ”دلہائے“ کو حل کرنے کی سخت ضرورت تصور فرمائیں تو مجھے اطلاع دیجیے، میں مولوی صاحب مرحوم کے صاحب زادے یا ایک اور معتمد شخص ڈاکٹر رام سنگھ کے کلا کے (اور؟) حکیم

فصل معین سے دریافت کر کے صحیح حال خدمت گرامی میں حاضر کروں گا۔

تالبع اطلاع کے پہنچنے کا ظم ہو۔ مجھے اس امر سے بے حد غرضی ہے کہ اس قسم کا سودا آپ کے جیسے ہاتھوں میں محفوظ ہو گیا۔ شلوٹ اور کتابوں کی جو مجموعی قیمت آپ نے تجویز فرمائی ہے وہ میرے نزدیک مطلق درست ہے۔ میں اس باب میں مشورہ دینا محبت سمجھتا ہوں۔ آپ دونوں میں سے چھوٹے میزان کی رقم میرے پاس بھیج دیجیے، میں اسے مالک کے پاس مئی آرڈر کروں گا۔ کوئی بات نقل تو میں خود ہی اس کو طے کروں گا۔ اور اگر کوئی خاص اور نہایت ضروری اعتراض پیدا کیا گیا تو آپ کی خدمت میں اطلاع بھیج دوں گا۔ بالفعل آپ اس سودا کا معاملہ طے کیجیے اور جس طرح سے مزاج چاہے اس سے کام لیجیے، تاہل مطلق نہ فرمائیے۔ حضرت مالک کو جب میں آپ کی رقم سمجھوں گا تو یہ کھسوں گا کہ فلاں فلاں چیزیں میں نے فروخت کر دیں اور ان کی یہ رقم ملی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس صورت میں اگر ان کے دل میں رقم کے متعلق کوئی اختلاف وارد ہو گا تو یہ سمجھ کر کہ اب تو سودا ہو چکا ہے، وہ اسے زبان تک نہ لائیں گے۔ یہ خدا نخواستہ ان کو دھوکا دینا نہ ہو گا، بلکہ ان کی نیت کو انوافول ہونے سے بچاتا ہو گا۔

ہاں وہ تیسرا خط جس کا میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا، ابھی تک مجھے وصول نہیں ہوا، حالانکہ اس کے مالک نے مجھے اس کی نسبت دو خط لکھے تھے اور بھیجنے کا حتمی وعدہ کیا تھا۔ آپ جو رقم ارسال فرمائیں، اس میں سے اس کی قیمت وضع فرمائیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ ایک ہفتے میں اس کے ہم پہنچنے کا انتظام کر لیں گا۔ انتہا بدلتا۔

میری طبیعت بظہر اب درست ہے۔ میں گزشتہ دو سال سے طبل چلاتا ہوں۔ پچھلے برس ایک استری کے دھم میں بمبئی جا کر آپریشن بھی کرایا اور اس کی سخت تکلیفیں بھگتیں مگر اب کچھ روز سے میں نے سوائے کافیر معمولی انتظام کیا ہے۔

خدا سے امید ہے کہ جناب والا کا مزاج گراہی بخیریت ہو گا۔

خادم سید سجاد

(۴)

گلگ کوٹھی روڈ حیدرآباد

۱۸ نومبر ۱۹۶۶ء

مخدومی دھرمی زادہ صاحبہ

گرامی ٹاسے اور پوسٹ کارڈ کے جواب میں میں نے ایک عریض آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اس بات کو شاید کئی دفعے گزر چکے ہیں لیکن آپ کا خیریت نامہ موصول نہیں ہوا۔ امید ہے کہ مزاج بہا نیت ہوگا۔

انتخاب و قیات و اشعار مرزا غالب، جس کا مسودہ آپ کی خدمت عالی میں بھیج چکا ہوں، اس کے متعلق ایک عجیب واقعہ پیش آیا ہے اور اس کی اطلاع مجھے کل ہی ملی ہے۔ یہ مسودہ میرے پاس دو دفعہ حالی سال سے تھا۔ گزشتہ سال مولوی عبدالرزاق صاحب مددگار صدر محاسب جنھوں نے اقبال کے حکام پر ایک مسموطہ مقدمہ لکھا ہے اور پورا حکام کلیات اقبال کے نام سے شائع کیا ہے، میرے پاس شکر طیف لائے اور اپنے ایک پرچے کے لیے، جس کی خانان اداریت اسی زمانے میں ان کے سپرد ہوئی تھی، مضمون مانگا۔ میں اُن ایام میں حیدرآباد کے باہر جا رہا تھا، خلعت میں مضمون تو کیا لکھ سکتا تھا، میں نے یہ مسودہ اُن کے حوالے کیا اور کہا یہ نایاب چیز ہے، آپ اسے دیکھ کر، اس پر ایک نوٹ مرتب فرما لیجیے۔ وہ اسے لے گئے اور بجائے نوٹ ترتیب دینے کے مسودے کی پوری نقل لے لی اور بغیر میری اجازت کے اپنے پرچے میں، جو کل ہی شائع ہوا ہے، اسے نقل کر دیا۔ اور نہ صرف اسی مہربانی پر قناعت کی، بلکہ اس کے سونے طعنے دے چھو کر اسے دکن کی ایک، انجمن ارباب ادب کے سلسلے میں داخل کر دیا۔

اس کے شائع ہونے کا تو مجھدمعج نہیں ہے، لیکن شاعت نے جو صورت اختیار کی، وہ قابل افسوس ہے۔ بہر حال وہ مسودہ اب آپ کے لیے بے کار ہو گیا، آپ اسے اپنے مجموعے میں

شامل نہ فرمائیں اور عیادت فرما کر اسے واپسی فرمادیں۔ نیز خط وغیرہ کی قیمت میں سے اس کی قیمت وضع فرمادیں۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیریت ہو گا۔ والسلام

خادم
شیخہ شجاع

(۵)

حیدر آباد۔ یکم دسمبر (۱۱)

مخدومی دکنری ذوالطہر۔ آداب عرض۔

گرای نامہ صادر ہوا۔ میں نے مبارک سے اسی وقت کہا ہے کہ عبدالرزاق صاحب کے پاس سے احباب کا ایک نوٹ خرید کر لے آئیں۔ امید ہے کہ یہ آج یا کل تک لے آئیں گے۔ آجائے گا تو خدمت میں بھیج دوں گا۔ اصل مسودے کو بافضل تو آپ اپنے پاس رہنے دیجئے، بعد میں اگر اس کی ضرورت نہ ہوئی تو مستقل طور پر آپ اسے اپنے ہی پاس رکھیے گا۔ اس وقت تو مجھے اس کے متعلق ایک خفیف سی پریشانی یہ ہے کہ عبدالرزاق صاحب نے اس کے چھاپنے کی اجازت لی اور اس کے دام ادا کیے اور اسے اپنی انجمن کے سلسلہ مطبوعات میں داخل کر لیا ہے اور مسودہ ہے ایک پڑے۔ شکر الو حضرت کا۔ ان کو معلوم ہوا مسودہ اس طرح چھاپ لیا گیا ہے اور اس کے بعد انھیں دوم نہ پہنچیں تو ممکن ہے کہ وہ کچھ سرائیں۔ میں کوشش کروں گا کہ عبدالرزاق صاحب اس کی کچھ قیمت ادا کر دیں۔ اگر وہ وصول ہو گئی تو پھر مسودہ آپ اپنے ہی پاس رکھیے گا، مجھے اس میں خوشی ہوگی۔

میں نے اس کے متعلق عبدالرزاق صاحب کو ایک نوٹ دیا تھا۔ انھوں نے اسے بھی اپنے نام سے چھاپ ڈالا۔ اور جب کچھ سے ملے تو یہ فرمایا کہ میں نے ایسا ایسا کیا ہے۔ چاہے

اسے سرت قہجے یا چکدور۔ مجھے اس امر کا تصور اسانگ تھا کہ اسے گا کا ایک چیز جو میں نے خدمت عالی میں بھیجی تھی وہ میری ہی غفلت سے ناقص ہو کر رہ گئی۔

معلوم نہیں آپ کی پونی درستی میں مٹھنیں کا تقرر کس زمانے میں ہوتا ہے۔ اگر نامناسب نہ ہو تو میں مٹھن ہونے کے لیے درخواست بھیج دوں۔ میں دو سال سے ایم۔ اے میں بھی کام کر رہا ہوں بلکہ آپ کے قشریف لے جانے کے بعد ایم۔ اے میں ہسٹری آف پرشین لٹریچر کا شعبہ بھی میرے سپرد کر دیا گیا تھا۔ جب سے ڈاکٹر نظام الدین آئے ہیں وہ اس کام کا انجام دے رہے ہیں۔

کیا مشغی گلشن عشق شیخ نصرتی (۱۰۶۸ ہجری بمطابق) کا کوئی نسخہ آپ کے پاس موجود ہے؟ نہ ہو تو اطلاع دیجئے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج گری و غریب ہوگا۔

خادم

سید سجاد

(۶)

گلگ کوٹھی روڈ

حیدرآباد ۲۹ جنوری (۱۲)

مخدومی و کمری زاوہلہ

آپ کے دو عنایت نامے اور چند روپے کا تنہی آرڈر وصول ہوا۔ خدمت میں شکریہ لیکن براہ کرم انتخاب کا معاملہ طے شدہ تصور نہ فرمائیے۔ عبدالرزاق صاحب کے پاس سے مجھے دنوں پہلے تنہی وصول ہوا۔ وہ ایک بار آدمی بھی بھیجا تھا مگر انہوں نے بے کھلاوہ یا کہ میں طرہ آ کر ملوں گا اور اس کا جواب دوں گا۔

گلشن عشق کی بابت آپ نے جو سطر ایک لفافے کی پشت پر تحریر فرمائی تھی، اس کا

ضروری حصہ اک خانے کی مہر میں آ گیا اور باوجود کوشش کے مجھ سے پڑھا نہ گیا۔ اگر اس میں کوئی بات ضروری اور جواب طلب تھی تو محتاجت فرما کر پھر لکھ دیجیے۔ خدمت عالی میں جواب بھیج دوں گا۔

آپ کی تقریر بہت ہی گہایت مختصر بلکہ ادھر اسد عورتاں بھائی کے اخبار اطہر میں ڈبلی میل میں آیا تھا۔ میں نے صرف اسی کو دیکھا ہے۔ اگر آپ کا لکچر طبع ہوا ہو یا اس کی کوئی فالٹو کا پی آپ کے پاس موجود ہو تو محتاجت فرما کر اسے میرے پاس بھیج دیجیے اور اگر آپ کی مرسلہ کا پی فالٹو نہ ہوئی تو دیکھنے کے بعد میں اسے آپ کے پاس واپس بھیج دوں گا۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج گرامی تحریریت ہو گا۔

خادم

سید شاہد



میرے لیے یہ باعث افکار بھی ہے اور سرمایہ سعادت بھی کہ ڈاکٹر صدیقی مرحوم جس مجموعے کو بہت زیادہ تعلق خاطر کے ساتھ طویل مدت تک چھپوانے کی فکر کرتے رہے، میری ناچز کوشش کے نتیجے میں وہ متحد ضروری اجزاء کے ساتھ ۱۹۹۳ء میں شائع ہو سکا تھا۔ معلومات کی کمی کی وجہ سے اس کے مقدمے میں بعض امور کی صحیح طور پر نشان دہی نہیں ہو سکی تھی۔ اب ادارہ یادگار غالب (گراچی) کے ارباب مل و عقد کی محتاجت سے مجھے یہ موقع ملا کہ نئی معلومات کی روشنی میں اس کا مقدمہ از سر نو لکھوں اور اس طرح اس مجموعے کو بہتر طور پر اور مکمل طور پر پیش کر سکوں۔ اس طرح پچھلی اشاعت (مکتبہ جامعہ دینی دہلی، ۱۹۹۳ء) کی عرض مرتب میں اور مالک رام صاحب کے مقدمے میں جو غلطیاں راہ پا گئی تھیں، ان کی مکمل طور پر تصحیح کی جا سکے اور اس طرح مرزا غالب کے منتخب کلام متر و نظم کا ایک اہم مجموعہ بہتر طور پر پیش کیا جاسکے۔

مالک رام صاحب کا مقدمہ اور حاشی، یہ دونوں چیزیں اس مجموعے کے سوا کہیں اور

نہیں۔ چھپیں۔ میں نے یہ مناسب نہیں خیال کیا کہ اب یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ ان کے مقدمے میں بعض باتیں صحیح طور پر بیان میں نہیں آ پائی ہیں: ان کے مقدمے کے کوشاں نہ کروں۔ مسلم صدیقی نے یہ سب کاغذ میرے پاس بھیجے تھے، یہ مقدمہ منجھی نے لکھوایا تھا: میں اس کا کوشاں رہتا تو ضروری تھا: البتہ میں نے یہ ضرور کیا کہ ”عرض مرتب“ میں ایسے مقامات کی نشان دہی کر دی ہے اور میری رائے میں یہ کافی ہے۔ صدیقی صاحب مقدمہ تو لکھ نہیں پائے تھے، یوں بھی مالک رام صاحب کے مقدمے کے کوشاں ہونے اور کوشاں رہنے کا جواز موجود ہے۔ مسلم صاحب نے مالک رام صاحب سے فرمائش کر کے حواشی لکھوائے تھے، اس لیے صدیقی صاحب کے حواشی کے ہوتے ہوئے بھی ان کی شمولیت کا جواز موجود ہے۔ سب سے بڑا جواز یہ ہے کہ مالک رام صاحب نے اپنے انداز سے حواشی لکھے ہیں جن سے بعض باتوں کی بہتر طور پر وضاحت ہوتی ہے۔

مرحوم صدیقی صاحب نے متن کی کتابت اپنی نگرانی میں اور مالک رام صاحب کے مقدمہ و حواشی کی کتابت مسلم صاحب نے اپنی نگرانی میں کرائی تھی، یوں میں نے ان تینوں تحریروں کو جوں کا توں رکھا ہے۔ یہ چند صفحے ”عرض مرتب“ کے عنوان سے محض اس لیے لکھے گئے ہیں کہ بعض امور کی وضاحت ہو جائے اور بعض غلط فہمیاں رفع ہو جائیں۔ آخر میں مخلوطے کا ٹکس بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اس سے اس مجموعے کے وقار اور اعتبار میں اضافہ ہوگا۔ جامعہ فاؤنیشن میں اس کا ٹکس بہت صاف اور واضح طور پر آیا ہے، توقع کرتا ہوں کہ قارئین نظر اشاعت میں بھی اس کی وہ خوبی برقرار رہے گی۔

ہاں، ایک ضروری وضاحت تو درگزی۔ مخلوطے میں اس کا کوئی نام نہیں، اور کیوں ہوتا، مرزا غالب نے اس کا کوئی نام لکھا ہی نہیں تھا۔ مسلم صاحب نے جو کاغذات میرے پاس بھیجے تھے، ان میں کئی جگہ اسے ”انٹائے غالب“ کے نام سے یاد کیا گیا ہے: اس سے کچھ ایسا خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ نام ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم کا تجویز کیا ہوا ہوگا۔ غالب اسی نسبت سے مالک رام صاحب نے اپنے مقدمے میں اسے ”انٹائے غالب“ کے نام سے موسوم کیا ہے (راشد صاحب

نے اس کا نام ”انتخاب غالب“ رکھا تھا اور رضا صاحب نے اس کا نام ”انتخاب رقعات و اشعار غالب“ مناسب سمجھا۔ میں نے ”انتخاب غالب“ کو سرخ خیال کیا ہے، اس لیے یہ مجموعہ اسی نام سے شائع کیا گیا تھا (کتبہ جامعہ انڈیشن) اور اسی نام سے شائع کیا جاتا ہے۔

بڑی نا انصافی ہوگی اگر میں اس کا اعتراف نہ کروں کہ اس مجموعے کی ترتیب کے سلسلے میں محبہ مکرم ڈاکٹر عبداللہ بن احمد نے بہت اسرار کیا، کئی تاکیدیں خط لکھے۔ ایک خط میں لکھا تھا:

پہر حال رقعات و اشعار غالب کا نیا انڈیشن لکھنا چاہیے اور اُسے آپ لکھیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو ڈاکٹر عبداللہ احمد مدظلہ اور مالک دھرم دھنوں کے ساتھ بے انصافی ہوگی۔ اگر آپ کی توجہ سے یہ رسالہ شائع ہو گیا تو چوں کہ میں روح کی جہا کا قائل ہوں، یقین رکھتا ہوں کہ دونوں کی رو میں آپ سے خوش ہوں گی۔“

توقع کی جاتی ہے کہ غالب شاعروں کے حلقے میں انتخاب غالب کی اس نئی اشاعت کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

رشید حسن خاں

شاہ جہان پور

۸ جون ۲۰۰۱ء

حواشی:

۱۔ مالک دھرم مقدم۔

۲۔ اس کی تحصیل ڈاکٹر عبداللہ احمد مدظلہ کے حواشی میں اور مالک دھرم کے مقدمے اور حواشی میں دیکھی جاسکتی ہے۔

۳۔ کافی دیر پہلے رضا صاحب نے لکھا ہے: ”اس بات کی بھی کوئی تصدیق مجھے نہیں ہو سکتی کہ کتاب غالب نے مولوی فیاض اللہ بن خاں کی فرمائش پر کبھی ”انتخاب رقعات و اشعار غالب“ (۱۹۷۲ء)۔

۴۔ اس سلسلے میں مالک دھرم صاحب نے اپنے مقدمے میں یہ لکھا ہے: ”معلوم نہیں مولوی فیاض اللہ بن خاں نے

جب غالب سے یہ انتخاب طلب کیا ہے تو ان سے کیا کیا تھا۔ لیکن غالب کی شروعات اور آخری غزلیوں کے دیکھنے سے یہاں تک ہے کہ ان کے خیال میں جو چیز سیکھو صاحب فاضل کشتربہا اور بنجاب کے چلی ہو نے والی (کڑا) تھی، اسی لیے انھوں نے دیکھا ہے میں صاحب عادت کا صاحب بن جان کرنے کے بعد دیکھو مطالبات بھی چلی کو ہے۔

۵۔ ڈاکٹر علی راجہ حسین احمد نے میر سے نام ایک غلام لکھا تھا۔ ۳۰ انتخاب غالب کا اصل نسخہ ڈاکٹر احمد علی مرحوم نے مجھے دکھایا تھا۔ یہ بھی کے ایک کارخانے میں وہ طباعت کا ذکر بھی فرماتے رہے۔ یہ کسی وجہ سے غفلت ہو سکا تو خود انھوں نے اشاعت کے لیے اس کی کتابت کرائی۔ ایک بار آنا یاد کیا تو وہ اجزا انھوں نے دکھائے۔ اس سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ مرحوم اسے بھی میں سمجھانا چاہتے تھے۔ یہ بھی حقیقت ہو جاتا ہے کہ بعد کا اصل غلطی کی کتابت انھوں نے خود ہی کرائی تھی (مجھے شک ہے غالب کے ہمدردانہ غفلت میں اور نہ نظر اشاعت میں شامل کر لیا گیا ہے)۔

۶۔ میر سے ساتے اصل غلطی نقل ہے جو ڈاکٹر احمد علی کے صاحب زادے مسلمان علی صاحب کے غلم سے ہے۔ غلطیوں میں مگر اس کا بیشتر حصہ دوسرے مسلمات سے حلقی ہے۔ میں نے ضروری مہارت نقل کی ہے۔ یہ نقل غلام راجہ نقاش (لاہور) کے غلط نمبر کی تیسری جلد میں ۱۹۶۸ء میں چھپ چکا ہے۔ مطبوعہ غلط اور اس کی نمونہ ڈاکٹر علی کے متن کا دب میں نے مقابلہ کیا تو دونوں میں کچھ فرق نہیں پایا۔ اسی غلط نمبر کی تیسری جلد میں مسلمان صاحب کا ایک بار غلط بھی چھپا ہے جو عربی صاحب کے نام ہے، سورہ ۸۸، جنم ۱۹۳۳ء۔ یوں تو اس کتاب (بنام عربی صاحب) میں بھی ”انتخاب غالب“ کا ذکر آتا ہے مگر اس میں ایسی کوئی بات نہیں جو اس بحث میں ادھر سے کام کی ہو۔ اس لیے میں نے اس کتاب بنام مالک رام صاحب کو اس لحاظ سے پہلا غلط کہا ہے۔

۷۔ مالک رام صاحب کی کتاب ”ذکر غالب“ کے چوتھے ایڈیشن (کتابچہ چاند، ۱۹۶۴ء) میں تھیں غلط، غالب کے تحت صرف یہ مہارت ملتی ہے: ”غالب نے جو نسخہ مولوی غیاث الدین حسین خاں کے لیے لکھا اور انھیں دیا تھا۔ یہ ان کے کتاب خانے سے دست لایا ہوا کسی طرح کا فرضی طور پر کتاب کو عبدالمزاق صاحب کے ہاتھ آ گیا، انھوں نے اسے عرب کر کے۔۔۔ شائع کر دیا۔“ (ص ۲۱۸)

۸۔ ”ذکر معاصرین“ حصہ دوم کے مقدمے میں انھوں نے لکھا ہے: ”میر سے نزدیک ہر جگہ حوالہ دینے کی

ضرورت نہیں ہے۔ براصحاب اس کے خلاف دلائل دیکھتے ہیں، میں ان پر بھی اعتراض نہیں کر سکتا۔ وہ ان کا طریقہ کار ہے اور یہ میرا۔ اس سے پہلے کہ احساسِ حق حاصل ہو پھر اجترہ شائع ہو چکا تھا اور یہ ظاہر یہ بات اسی طیلے میں بھی گئی ہے۔

۹۔ یہ ظاہر بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد لفظ ”پاس“ لکھنے سے روک دیا گیا ہے۔

۱۰۔ یہ ظاہر آئیے کے ”نہا جاتا ہے“ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ”کے“ لکھنے سے روک دیا گیا ہے۔

۱۱۔ اس خط میں سنہ ۱۹۲۶ء کی تاریخ ہے۔ ”(۱۹۲۶ء)“ لکھا ہوا ہے اور یہ غالباً ڈاکٹر عبداللہ صاحب مدنی کے قلم سے ہے۔

۱۲۔ سنہ ۱۹۲۷ء کی طرف ”(جنوری ۱۹۲۷ء)“ مرقوم ہے۔ یہ غالباً ڈاکٹر عبداللہ صاحب مدنی کے قلم سے ہے۔

مقدمہ

مالک رام

مرحوم ولی کالج میں عربی کے ایک پروفیسر تھے، مولوی ضیاء الدین خاں۔ انھوں نے تعلیم بھی دلی کالج ہی میں پائی تھی۔ عربی میں مولوی مملوک اعلیٰ ثانوی کے شاگرد تھے۔ ان کے علاوہ مفتی صدر الدین خاں سے قاری پڑھی۔ وہ مفتی ذکاء اللہ اور ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے ساتھ کے پڑھنے والوں میں سے تھے۔ تینوں نے جو نام پایا۔ تینوں شمس العلماء کے خطاب سے ملحق ہوئے۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی اور مولوی ضیاء الدین خاں کو انصرام ٹی ورثی (انگلستان) کی طرف سے ایل ایل ڈی کی اعزازی سند بھی ملی۔

ان کا نام ڈپٹی نذیر احمد کے نام سے ایک اور طرح سے بھی وابستہ ہے: یہ دونوں دلی کالج میں تعلیم کے آخری درجے میں تھے، اور ان کی تکمیل کا زمانہ قریب تھا۔ سن ایام میں سر رچرڈ ٹمپل (جو بعد کو گورنر ہوئے) پنجاب کے ضلع گجرات کے ڈپٹی کمشنر تھے، انھوں نے اپنے ضلع میں تعلیم کی توسیع کا ایک منصوبہ بنایا۔ اس وقت یہاں ج پی میں (جو اس وقت ملائک ٹمپل، مغرب کہلاتا تھا) تعلیم کے کچھ کے کرتا دھرتا بہری اسٹورٹ ریڈ تھے۔ ٹمپل نے ریڈ کو لکھا کہ میں یہاں ضلع گجرات کے مختلف شعبوں میں مدارس جاری کرنا چاہتا ہوں: ان میں پڑھانے کے لیے مجھے بھیجے (۶) مولوی رکھار ہیں: ان کا انتظام کر دیجیے۔ دلی کالج بھی ریڈ صاحب کے دائرہ اقتدار میں تھا۔ لہذا ریڈ نے پرنسپل صاحب کو لکھا کہ ٹمپل کی فرمائش پوری کی

جائے اور جیسے مولوی صاحبان پنجاب بھیج دیے جائیں۔

یہ خبر یہاں کالج میں بھی پھیل گئی۔ نذیر احمد اپنے درجے کے بہترین طلبہ میں سے تھے: امتحان میں ہمیشہ اول یا دوم رہتے۔ انھیں یقین تھا کہ ان جیسے کے انتخاب میں میرا نام ضرور آنا ہی چاہیے، اس لیے انھوں نے کسی طرح کی کوشش نہیں کی اور اپنی جگہ مطمئن بیٹھ رہے۔ اور لوگوں نے ہاتھ پاؤں مارے اور مارے آپ کو نامزد کرالیا۔ چنانچہ جب اعلان ہوا تو نذیر احمد منہ دیکھتے کود پڑے۔ وہ گئے: ان کا نام جیسے کی فہرست میں نہیں تھا۔ انھیں اس کا بہتہ رنج ہوا کہ مجھ سے کم استعداد کے لوگ انتخاب میں آ گئے اور مجھے نظر انداز کر دیا گیا ہے لیکن اب خاموش ہو رہنے کے سواے اور کیا کر سکتے تھے! جو اصحاب چنے گئے تھے، ان میں مولوی ضیاء الدین خان بھی تھے، جو اپنے والد شیخ محمد بخش کے اثر و رسوخ کے بل بوتے پر منتخب ہوئے تھے۔

غرض دوسرے اصحاب کے ساتھ مولوی ضیاء الدین بھی پنجاب روانہ ہو گئے۔ لیکن انھوں نے سفر کے دوران میں ہیضہ کیا اور بہت سخت بیمار ہو گئے۔ بارے، دوا دوش سے جان بچ گئی۔ لیکن اب انھوں نے پنجاب کی ملازمت کا ارادہ ترک کر دیا؛ سفر جاری نہ دکھا اور دلی واپس آ گئے۔ اس پر پرنسپل صاحب نے مولوی نذیر احمد کو طلب کیا، اور ضیاء الدین خاں کی جگہ پنجاب جانے کو کہا۔ یہ بھرے پیٹھے تھے۔ انھوں نے چونتیسویں اس نا انصافی کے خلاف اپنے غم، غصے کا اظہار کیا کہ اول مرتبہ مجھے کیوں نظر انداز کیا گیا تھا! بہر حال پرنسپل صاحب نے دل جوئی کی اور سمجھا بجھا کر انھیں راضی کر لیا۔ یہ بھی ضرورت مند تھے، جانے پر آمادہ ہو گئے اور پنجاب چلے گئے۔

مولوی ضیاء الدین خاں مٹھلے بیٹے تھے دارودہ محمد بخش کے۔ یہ بسنی دارا پور بہاولپور کے رہنے والے اور وہاں کے جاگیردار گھرانے کے فرد تھے۔ یہ خاندان ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں انگریزوں کا طرف دار رہا تھا، اس زمانے میں شیخ محمد بخش یہاں دلی میں "دارودہ" کے عہدے پر فائز تھے۔ ۷۰۰ قلعہ، در شہر کی خبریں پہاڑی و صبرج پر انگریزی فوج کو پہنچاتے رہے تھے لیکن ان گراں قدر خدمات سے تلخ اندوہی شیخ محمد بخش کے صوب میں نہیں تھی۔ دلی کی فتح کے بعد جس وقت انگریزی فوج شہر میں داخل ہوئی تھی، وہ بھی تماشا دیکھنے کو اپنے مکان سے باہر نکلے۔ نہ جانے

گورے کو کیا شہد گزارا، اس نے ان کے گولی مار دی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئے۔ بعد کو انگریز افرنے اس الم تاک حادثے پر اپنے رنج و ملال کا اظہار کیا، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ ایک شوخی کے لیے محمد بخش کی خدمات جلیلہ کے جلد و میں ان کے بیٹے ضیاء الدین کو کچھ راضی جاگیر میں اور خطاب خان بہادرؒ عطا ہوا۔ اور جب کال امن قائم ہو گیا، تو انھیں ملازمت بھی مہیا کی گئی۔ لولا چندے نائٹ اسکول میں پڑھاتے رہے بعد کو ۱۸۶۳ء میں دلی کالج میں عربی کی ایسی دتہ رئیس ان کے سپرد ہوئی۔ پھر جب ۱۸۷۷ء میں یہ کالج بند ہو گیا، تو وہ اسٹرا اسٹنٹ کمشنر کے عہدے پر مستعمل ہوئے، جو اس عہد میں ہندوستانوں کے لیے سرکاری ملازمت کی گویا معراج تھی۔ پلا خربیں سے پٹن پائی۔

مولوی ضیاء الدین خاں نے خاصی لمبی عمر پائی۔ وہ حج کرنے کو گئے تھے وہیں ۱۹۰۷ء میں انتقال کیا۔ انھوں نے اپنی تالیف ”انشاء اردو“ (۸۹:۲) میں اپنا ایک خط شامل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس خط کی تحریر کے وقت تک شادی نہیں کی تھی۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ شادی بہت دیر سے کی ہوگی۔

ان کے چار صاحب زادے تھے۔ سوائے ایک مولوی محمد منور الدین کے کوئی باپ دادا کا نام روشن کرنے والا نہ ہوا۔ محمد منور الدین دریا گنج، دلی میں رہتے تھے۔ صاحب علم آدمی تھے، فقہ حنفی میں خاص طور پر اچھی دستگاہ حاصل تھی۔ انھوں نے ملائے حنفیہ کی مستند کتابوں سے اخذ و اقتطاع کر کے شرع اسلام کا ایک مجموعہ ”فتاویٰ حنفیہ“ کے نام سے مختلف حصوں میں شائع کرنا شروع کیا تھا۔ اس سلسلے کے جلد صرف چار حصے منظر عام پر آئے: (۱) کتاب الحج و الزیارة (۲) کتاب الصوم والا حکاف (۳) کتاب المیراث (دلی ۱۹۳۳ء، ۱۳۵۳ھ) (۴) کتاب النکاح (دلی ۱۹۳۹ء، ۱۳۵۸ھ) ان میں سے صرف آخری دو حصے میری نظر سے گزرے ہیں۔ کتاب النکاح کے شروع میں سرشاہ محمد سلیمان کا دریا چاہی بھی موجود ہے۔

(۲)

۱۸۶۶ء میں حکومت کی طرف سے مولوی ضیاء الدین خاں کو ایما ہوا کہ وہ اردو کا ایسا

نصاب مرتب کریں، جو نوادرو فی افسروں کو اردو پڑھانے کے لیے موزوں ہو۔ اس پر انھوں نے مختلف مترجموں کی تحریروں سے مضامین منتخب کیے اور غالب سے درخواست کی کہ وہ اپنے چند خطوط اور کچھ نثر عنایت کریں تاکہ انھیں مجوزہ نصاب میں شامل کیا جاسکے۔

اس پر غالب نے یہ زیرِ نظر مجموعہ (انشائے غالب) مرتب کیا۔ انھوں نے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا: پہلے حصے میں دو دیباچے، ۱۲۰ غزل، دو نظمیں اور ایک اہلیہ ہے؛ دوسرے حصے میں انھوں نے اپنے اردو کلام سے ۳۱ شعر انتخاب کیے ہیں۔ یہ سب چیزیں تو ان کے پاس موجود ہی تھیں، صرف انتخاب کی ضرورت تھی، اس کے علاوہ انھوں نے ان پر نئے دیباچے اور خاتمے کا اضافہ کیا۔ انھوں نے یہ کتابچہ کاتب سے خوشخط لکھوایا اور نظر ثانی کے بعد اسے مولوی ضیاء الدین خاں کے حوالے کر دیا۔

معلوم نہیں مولوی ضیاء الدین خاں نے جب غالب سے یہ انتخاب طلب کیا ہے تو ان سے کیا کہا تھا! لیکن غالب کی شروع اور آخر کی تئروں کے دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ ان کے خیال میں یہ چیز منگلو صاحب کی قتل کشمیر بہادر پنجاب کے جوش ہونے والی تھی۔ اسی لیے انھوں نے دیباچے میں حسبِ عادت، اپنا حسبِ نسب بیان کرنے کے بعد کچھ مطالبات بھی پیش کر دیے ہیں۔ ان کی یہ درخواستیں تو منظور نہ ہوئیں، البتہ اس سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ جب اس کے بعد نصف گورنر پنجاب نے دربار کیا، تو فوجیوں کے لیے نصاب کی تیاری کے سلسلے میں انھوں نے جو مدد دی تھی، اس کے اعتراف میں انھیں خاص طور پر خلعت عطا کیا گیا۔

مولوی ضیاء الدین خاں نے جو کتاب مرتب کی تھی، اس کا نام انھوں نے ”انشاء اردو“ رکھا۔ یہ کتاب دو حصوں میں چھٹی تھی: پہلا حصہ ”افسرانِ فوج کے درجہ اولیٰ کے امتحان کے واسطے“ اس میں ۶۰ صفحات ہیں۔ دوسرا حصہ ”افسرانِ فوج کے درجہ اعلیٰ کے امتحان کے واسطے“؛ یہ ۱۰۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں حصے پہلی مرتبہ ”شیخ احمد کے اجتماع سے مطبع فیض احمدی میں“ ۱۸۶۶ء میں چھپے تھے۔ بعد کو انبیا اور ایڈیشن ۱۸۷۲ء میں لاہور کے ”مطبع سرکاری“ میں بھی

مولوی ضیاء الدین خان نے غالب کا مہیا کردہ سارا مواد استعمال نہیں کیا۔ اس میں سے صرف خطوط ان کی "انشا ہارو" کے دوسرے حصے یعنی "افسرانِ فوج کے درجہ اعلیٰ" کے نصاب میں شامل ہیں۔ غالب نے اس مجموعے میں ۱۲ خط شامل کیے تھے۔ مولوی ضیاء الدین خان نے ان میں سے صرف دس خط "انشا ہارو" میں لیے ہیں، بقیہ تمام مواد نظم و نثر انھوں نے نظر انداز کر دیا۔ لیکن "انشا ہارو" (حصہ دوم) میں ایک خط زائد بھی ہے، جو غالب کے اس مجموعے میں نہیں ملتا۔ یہ خط حسب ذیل ہے:

جناب یابو صاحب جمیل السناقب محمد الاحسان سلامت
 نیاز صبر کیشادہ دعا سے درویشانہ قبول فرمائیں۔ ایک دن پہلے
 حلقہ نامہ اور دوسرے دن لکڑی کا تار ہنگام پہنچا۔ نظر اس نقد یہ کو تاخیر پر، خط
 کو پھول اور کتاب کو پھل سمجھا۔ پھول سے نشاط تازہ اور پھل سے لذت
 بے اندازہ پائی۔ جام جم، جہاں نما ہوگا۔ مگر کیا جانے کیا ہوگا؛ بلکہ اسی میں
 تر وہ ہے کہ نہ ہوگا یا ہوگا۔ جام جہاں نما، یہ کتاب ہے، جس سے ہر دینہ دور
 بہرہ یاب ہے۔ یہاں تو میں مدح میں قاصر رہا۔ یہ میں نے کیا کہا! جس
 طرح دینہ دور چڑھ کر خطا اٹھا سکتا ہے، مانجنا بھی سن کر لطف پا سکتا ہے۔ فیض
 اس کتاب کا عام ہے۔ جام جہاں نما اس کا سچا نام ہے۔

اسٹنٹ کمنٹر صاحب بہادر کی خدمت گزارگی اور اشاعت
 عام میں مددگاری اور بعد از وفات ہے۔ مگر فقیر میں تین عیب ہیں: ستر برس
 کی عمر؛ کانوں سے بہرہ اچھٹے بنار ہے؛ آہدہ رفت دوام میں قاصر۔ اور جو
 تحریر وہاں سے آیا کرے گی، اس کی مشورت میں حاضر رہے گا۔ یہ نہیں
 ہے کہ نجاتیں گا۔ آنکھوں سے جاکس گا، مگر حسب الطلب یا حسب
 ضرورت، کار گزار و فرمانبردار ہوں گا۔

بہر صورت تعجب ہے کہ صاحب اسٹنٹ بہادر نے مجھے یاد

کیوں نہ کیا، بلا کیوں نہ لیا؟ یقین ہے کہ جب آپ یہ خط اپنے نام کا حضرت کی خدمت میں بھیجوا رہے تھے تو وہ مجھے بے تکلف بلا لیں گے۔

نقطہ

عنایت کا طالب غالب

یہ خط کس بابو صاحب کے نام ہے؟ لیکن ہے کہ یہ ماسٹر پیارے لال ہوں، جو پہلے دہلی سو سائیکل کے سکڑے تھے اور بعد کو سرکاری ملازم ہو کر ۱۸۶۳ء میں لاہور چلے گئے تھے۔ انھوں نے قیام لاہور کے زمانے میں میجر فلرز ائیر کٹر تعلیم پنجاب کی فرمائش پر دہلی کے کچھ آدمیوں سے کتابیں لکھوائی تھیں۔ چنانچہ خود غالب نے ”نکات غالب و رقعات غالب“ ماسٹر پیارے لال ہی کے کہنے پر مرتب کی تھی۔ اس خط میں غالب نے ایک کتاب ”جام جہاں نما“ کے پہنچنے کی رسید لکھی ہے۔ میری نظر سے اس عنوان کی ایک کتاب کا دوسرا حصہ گزرا ہے۔ یہ جغرافیہ کے موضوع پر ہے اور ایک ہندی کتاب بھوگول ہوتا ملک کا ترجمہ ہے۔ ہندی کتاب کے مصنف اور اردو مترجم ایک ہی شخص بابوشیو پرشاد ہیں۔ یہ کتاب مطبع نول کشور، لکھنؤ میں ۱۸۶۰ء میں چھپی تھی۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہاں اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے یا کسی اور کی طرف۔ اگر اسی جغرافیہ کی کتاب کا ذکر ہے تو یہ پرانی شائع شدہ کتاب جیسے سے شاید یہ مقصود ہو کہ غالب سے بھی اسی طرح کی کوئی چیز لکھوانا منظور تھا۔ لیکن یہ سب قیاسات ہیں، یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

یہی غالب کا موسط خطی نسخہ مولوی ضیاء الدین خان نے اپنی ”انشاء اردو“ کے لیے مسودے کے طور پر استعمال کیا تھا اور اسی سے کاتب نے کتابت کی تھی۔ اس میں بعض جگہ حاشیے پر صفحات کے نمبر اب بھی موجود ہیں، جو بالعموم کاتب اپنی یادداشت کے لیے حاشیے میں لکھ دیتا ہے۔ مثلاً خطی نسخے کے ص ۳۰ پر ۸۱ کا نشان ہے؛ ص ۴۲ پر ۸۳ کا نشان ہے اور صفحات کے یہ نشان مطبوعہ ”انشاء اردو“ (مصدوم) کے مطابق ہیں۔

اس کے علاوہ خطی نسخے میں متعدد خطوں کے سامنے حاشیے پر ”نقل“ ”نوشہ شد“ ”مقابلہ نمودہ شد“۔۔۔ الفاظ ملتے ہیں۔ یہ یا تو خود مولوی ضیاء الدین خان کے قلمی ہیں، یا اس شخص

کے جو ان کی طرف سے کتابت کی گمراہی کر رہا تھا۔ ان سے مراد یہ ہے کہ کسی نے کتابت کے بعد ان کا اصل مسودے سے مقابلہ کر لیا ہے۔

مولوی صاحب موصوف نے خطوں کی عبارت میں حسبِ فضا تجدیلی کر لی تھی۔ بعض الفاظ کاٹ دیے، کچھ بدل ڈالے، بعض جگہ سطروں کی سطریں خارج کر دیں۔ ان سب کی نشاندہی حواشی میں کی جا رہی ہے۔ عبارت یا الفاظ بالعموم وہی حذف کیے گئے ہیں، جن میں ولایت سے آنے والے فوجی افسروں کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی، یا جس سے انگریزوں کی نظم و نسق پر حرف آتا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ملا میں یہ تجدیلی کی کہ جہاں بھی اعراب بالحروف کے اصول کے مطابق غالب نے پیش کی جگہ او لکھا تھا، انھوں نے اسے حذف کر دیا۔ غالب نے ہر جگہ ”تخلو“ لکھا تھا، انشاءِ اردو میں اس کی شکل ”تجو کو“ ملتی ہے۔ اسی طرح جہاں غالب نے روپیہ لکھا تھا، انھوں نے اسے روپے بتا دیا۔

اس کتاب کی خاص اہمیت یہ ہے کہ یہ خطوط غالب کا سب سے پہلا مجموعہ ہے اور ۱۸۶۶ء بھی خود غالب کا مرتب کردہ۔ عود ہندی اور اردو سے منسلک، دونوں متداول مجموعے بہت بعد ۱۸۶۸ء اور ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئے۔ اگرچہ اس کے سب خط میر جہدی بخروج کے نام ہیں، لیکن نہ جانے کیسے، ان میں سے ایک خط بعد کے دونوں مجموعوں میں شامل نہیں ہوا۔ یہ خط نمبر ۱۰ ہے۔ یہ پہلی مرتبہ ہی خطی نسخے سے لے کر مرتب ”انکائی غالب“ (ڈاکٹر عبدالستار صدیقی) نے خطوط غالب مرتبہ عشق بھیش پر شاد میں شامل کیا تھا (طبع اول (۱۹۳۱ء): ۲۸۳ (خط نمبر ۳۵)؛ طبع دوم (۱۹۶۲ء): ۳۳۳)

(۳)

حسن اتفاق سے غالب کے انتخاب کا یہ خطی نسخہ ”انکائی اردو“ کی ترتیب و اشاعت کے بعد مولوی ضیاء الدین خاں کے ذخیرے میں محفوظ رہا۔ ان کی وفات کے بعد ان کی کتابوں سے یہ برآمد ہوا اور ایک صاحب اسے لے کر حیدرآباد پہنچے۔ وہاں انھوں نے اسے مولوی محمد عبدالرزاق راشد کو دکھایا اور انھیں بتایا کہ وہ اسے چھپنا چاہتے ہیں۔ راشد مرحوم حکومت نظام کے دفتر مال میں

ملازم تھے۔ انھیں اولیٰ ذوق بھی تھا۔ وہ نئے کود کچہ کر اس کی اہمیت تو بھانپ گئے لیکن وہ اس کے لیے کچھ دیکھا نہیں چاہتے تھے۔ انھوں نے مالک سے کہا کہ اسے مختصر وقت میں اسے دیکھنا محال ہے، آپ اسے چھوڑ جائیے، میں اطمینان سے دیکھ کر فیصلہ کر سکوں گا کہ آیا اس میں کوئی نئی چیز ہے بھی یا نہیں اور اس کی قیمت کیا ہونا چاہیے۔ بات معقول تھی۔ مالک اس پر راضی ہو گیا اور نضوان کے حوالے کر کے چلا آیا۔ مختصر سی چیز تھی۔ راشد صاحب نے راتوں رات اس کی نقل لے لی اور جب مالک اگلے دن ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ کہہ کر کہ اس میں کوئی اہم اور نئی چیز نہیں ہے، انھوں نے غلطی اسزا سے واپس کر دیا۔

اس کے دو چار دن بعد وہ شخص اسے لے کر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے پاس پہنچا۔ بیان دنوں وہاں محتایہ ہوئی اور سنی کالج کے پرنسپل تھے۔ انھوں نے الٹ پلٹ کر اسے دیکھا تو فوراً جان گئے کہ یہ محمود خود غالب کا سر ہے کیا ہوا ہے اور اس میں جا بجا غالب کے ہاتھ کی تحریریں بھی ہیں؛ اور اس لحاظ سے بہت اہم ہے۔ انھوں نے مالک کو اس کے لیے دس روپے پیش کیے۔ چونکہ راشد صاحب نے اس شخص کو بتایا تھا کہ اس میں کوئی اہم چیز نہیں ہے اور اس میں کا سارا مواد مطلوبہ شکل میں موجود ہے، اس لیے اس نے ان ۲۹ صفحات کے لیے ڈاکٹر صدیقی کے یہ دس روپے بھی بہت قیمت خیال کیے، اور ان کی پیش کش قبول کر لی۔ یوں یہ نسخہ ڈاکٹر صاحب کی تحویل میں آ گیا۔

راشد صاحب نے اپنی نقل پہلے تو تین قسطوں میں حیدر آباد کے رسالے ”تھن“ میں چھپوائی۔ (اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۴۶ء) اس کے بعد اس پر ایک مختصر و بچاؤ لکھ کر اسے کتابی شکل میں پرنسپل ”انتخاب غالب“ کا شائع کیا۔ (پشتون پریس، حیدر آباد ۱۹۴۶ء) چونکہ انھوں نے نقل بہت غلط میں کی تھی، اس لیے اس میں بہت غلطیاں ہو گئی تھیں۔ بعض جگہ فقرے تک ساقط ہو گئے، بعض الفاظ غلط لکھے گئے۔ غرض کہ ان کا شائع کردہ متن بہت جگہ غلط ہو گیا ہے۔

یہ مختصر رسالہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے پاس پڑا رہا۔ وہ دونوں اس کی طرف ”انتخاب غالب“ کے نام سے اشارہ کرتے رہے، جیسا کہ خطوط غالب (جلد اول) کے شروع میں غلطی پیش پر شاہ کے نوشتہ ”نو چاہئے“ سے پورہ اس کے حواشی سے ثابت ہے۔ بہت دن ہوئے میں نے انھیں

توجہ دلائی تھی کہ اسے مناسب طریقے پر مرتب کر کے یہ عنوان "انتباہ غالب" شائع کرو دینا چاہیے لیکن ان کی انتہائی احتیاط کی عادت اور اس پر معیار کی بلندی، کام بہت آہستہ آہستہ ہوا۔ بہر حال جوں توں کر کے کچھ خواہشی انھوں نے لکھ لیے تھے، وہ غالباً اس پر دیا ہے یا نقد سے اور مزید حواشی کا اضافہ کرنا چاہتے تھے کہ تیار نہ کئے، جس سے کام بالکل رک گیا۔ اور پھر وہ "اللہ" کو پیار سے ہو گئے۔ اب اس پر ان کی طرف سے کسی اضافے کا امکان نہیں رہا تھا لہذا فیصلہ کیا گیا کہ اسے جوں کا توں شائع کر دیا جائے۔ اور بھی کیا جا رہا ہے۔

(۴)

داستان مکمل کرنے کو آخر میں ایک اور بات بھی لکھ دوں:

غالب نے ۱۸۶۲ء میں "قاطع برہان" شائع کی، تو اس پر ملک کے فارسی، داں حلقے کی طرف سے ان پر بہت اعتراض ہوئے۔ کئی اصحاب نے کتابیں تالیف کیں۔ خود غالب نے اور ان کے بعض دوستوں نے بھی جواب لکھے۔ یہ بحث بہت دن تک چلی۔ اسی سلسلے میں غالب نے ایک احتجاج لکھا تھا، جو رسالہ "سوائے عہد انکریم" کے ساتھ ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا۔ اس میں انھوں نے اپنے نظریے کی صحت سے متعلق اساتذہ فاضل سے تصدیق چاہی تھی۔ منجملہ اور اصحاب کے انھوں نے مولوی ضیاء الدین خان کو بھی تائید کے لیے لکھا تھا۔ چونکہ مطلوبہ استفتاء کے آخر میں موبدین میں ان کا نام نہیں ملتا، اس سے خیال ہوتا ہے کہ غالب انھیں غالب کے تعلق خیال سے اتفاق نہیں تھا یا انھوں نے کسی اور وجہ سے استفتاء کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرنا خلاف مصلحت خیال کیا۔

اس کے باوجود جب ۱۸۶۶ء میں مولوی ضیاء الدین خان نے غالب سے یہ نصاب مرتب کرنے کے لیے علمی امداد کی درخواست کی، تو انھوں نے پوری مستعدی اور ذمہ داری سے ان سے تعاون کیا، جس سے یہ زیر نظر رسالہ (انتباہ غالب) وجود میں آیا۔

جن لوگوں نے غالب کی "قاطع برہان" کا جواب لکھا تھا، ان میں ایک صاحب مولوی امین الدین امین بھی تھے، انھوں نے اس کے جواب میں ایک کتاب "قاطع القاطع" شائع کی تھی۔ اس کتاب میں انھوں نے غالب پر بہت رکیک جملے کیے اور ان سے متعلق بہت شرم ناک الفاظ

استعمال کیے تھے۔ ان جنگ آمیز کلمات کی بناء پر غالب نے ۱۸۶۷ء میں مولوی امین الدین پر ازالہ
 حقیقت عرفی کا مقدمہ دائر کر دیا۔ مولوی امین الدین نے اپنی طرف سے منافی کے جو گواہ پیش کیے،
 ان میں مولوی ضیاء الدین خاں اپنے علم و فضل اور اثر و رسوخ اور وجاہت کے باعث پیش پیش
 تھے۔ انھوں نے مد عالیہ کے بچانے کی خاطر قابل اعتراض لفظوں اور جملوں کو نرم کرنے کی کوشش
 کی۔ وہ ایسی ایسی دور کی کوڑی لائے اور انھوں نے ان لفظوں کے ایسے دور از کار معنی بیان کیے کہ
 مجسمہ پت جو انگریز تھا، ضرور بھول بھلیاں میں پھنس گیا ہوگا۔ غالب نے جب یہ رنگ دیکھا تو
 انھیں یقین ہو گیا کہ عدالت سے انصاف کی امید نہیں۔ اس پر انھوں نے راضی نامہ داخل کر دیا اور
 مقدمے سے دست بردار ہو گئے۔ حالی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

”ان مولویوں کا (جو مولوی امین الدین کی طرف سے بطور
 گواہ پیش ہوئے تھے) میرزا سے ملنا جلتا تھا۔ کسی نے پوچھا: حضرت!
 انھوں نے آپ کے برخلاف شہادت کیوں دی۔ میرزا نے اپنا فارسی کا یہ
 شعر پڑھا:

ہر آں کہ دگر ی ، جز بہ جنس ماک نیست
 عیار ہے کسی من شریف نسبی ست

یہاں میرزا کا اشارہ مولوی ضیاء الدین خاں (اور مولوی سدید الدین) کی طرف ہے،
 جنھوں نے ان کے خلاف گواہی دی تھی۔

مالک رام

نئی دہلی

۲۱ ستمبر ۱۹۷۷ء

نانا دادو کا مہمہ آج کل کے تھانے دار کے برابر تھا۔ نئی دارا پور کا تو اس سڑک کے ٹال میں ہے جو دہلی سے
 نکلے گا کہ جاتی ہے۔ فب دلی کی جی ٹی سڑکوں میں یہ گاڑ بھی باب ہوتا جا رہا ہے، لیکن جہاں اس کا نام جانا جا
 ہے۔ اس کی چشمزدہ زمین ناجانی باش مولیٰ نگر اور سدھن پارک میں آگئی ہے۔

متن

انشائے غالب

مرتبہ

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ کتاب جو دو باب کی ہے حقیقت یہ اس کتاب کی ہی پہلی باب میں دو دیباچے اور کئی مکتوب ہیں اگر میری لکھی ہوئی ہوتی تو میں کہتا کہ بہت خوب ہیں دوسرا باب اشعار کا ہے کہ وہ بھی کلام اسی خاکسار کا ہی اگر کوئی خط اردو زبان میں لکھا جائی اور اشعار میں سی شعر محل و مقام کی مناسب صحت کیا جائی اور یہ مجموعہ نذر اوس جناب رفعت مآب کے ہی جس کے عزت و توقیر قائل کشنری پشاور کے ناقد عالیشان علم و اہل علم کی تدر و دان ن نگاہ روزگار جنکا مطبع و محکوم ہونا اہل

اہل ہند کو سرمایہ عز و افتخار والا پایہ عالی رتبہ علی القاب حضرت
 فلک رفعت مکلوڈ صاحب بھادر فائزل کشنر بھادر قلم و پنجاب
 پس یہ کتاب اگر انکی حکم سی چھاپی جاگی تو صاحبان تازہ وار
 ولایت کی پڑھنی کے کام آگی اس کتاب کا نذر کرنی والا جو اپنے
 نذر کی قبول ہونیکا طالب ہم نصر اسد یک خان بھادر رئیس
 سون کا بہتجا موسوم بہ اسد اسد خان و متخلص بہ غالب یہ
 تیری چچا کی سرداری اور ریاست کا حال اور گورنمنٹ بھادر
 اعلیٰ سی خاص میری ملازمت اور نذر اور خلعت کی کیفیت
 گورنمنٹ اعلیٰ کے دفتر میں مرقوم ہے اور میری قصیدہ کا جناب
 مستطاب لارڈ آئن برا بھادر کی ذبیحہ سی ذیرا عظم کی پاس
 پہنچنا اور حضرت قدر قدرت شہنشاہ بھر در ملک معظمہ محترمہ کے
 حضور پر نور میں گزرنا از روی شاہدہ خطوط آمد ولایت جو بیل ڈاک
 مجکو ولایت سی آئی ہیں گورنمنٹ بھادر ہند ستان کو معلوم ہے
 البتہ میں اسکا مستحق ہوں کہ کوئیس پوئیشہ گنا جاؤں اور اس
 علاقہ سی ایک نیا نام اور نی عزت پاؤں اگر رتبہ بڑھایا جائے

تدویم عزت میں تو فرق نہ آئی نظم ایی جهان آفرین خدای کریم
صانع ہفت چرخ و ہفت اقلیم نام مکتوب جنگا ہی شہور یہ ہمیشہ بعد
نشاط و سرور: عمر و دولت سی شادمان رہیں: اور غالب پسرانِ ربیہ:

پیدا ہوا ہے

سبحان اللہ خدا کی کیا نظر منہر و صنفین ہیں تعالیٰ اس کی
حیرت آورد تدرین ہیں یہ جو حدائق العشاق کا فارسی زبان سی
عبارت اردو میں نگارش پانا ہی آرم کا زمین دنیا سی او ٹھکر
بہارستان قدس کا ایک بلغ بن جانا ہی وہاں حضرت رضوان
ارم کی نخل بند و آبیار ہوئی تیران مرزا حبیب علی بیک صاحب سرور
حدائق العشاق کی صحیفہ نگار ہوئی اس مقام پر یہ بھی پیر جو موسوم
بہ اسد امہ خان اور مخاطب بہ نجم الدولہ اور متخلص بہ غالب خدا
جہان آفرین سی توفیق کا اور خلق سی انصاف کا طالب ہے ان ای
صاحبان فہم و ادراک سرور سحر بیان کا اردو کی نشر میں کیا پایہ ہے
اور اس بزرگوار کا کلام شاہد معنی کی واسطی کیا گران بھاپر لریہ ہے
نظم رزم کی داستان گرستے نہ ہی زبان ایک تیغ جو ہر دار: رزم کا

بزم کا التزام گزبھی : ہی مسلم ایک ابرگور بار : مجکو دعویٰ تھا کہ انداز
 بیان دشوخی تقریر میں فسانہ عجائب بنی نظیر ہی جس نے میری دعویٰ کو
 اور فسانہ عجائب کی کیتاسی کو مٹایا وہ یہ تحریر یہ کیا ہوا اگر ایک
 نقش دوسرے کا ثانی ہی یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ نقاش لاثانی ہی ہوتے
 نقاش بمعنی صورتیں بنا کر پیمبری کا دعویٰ کری کیا عقل کے کمی ہی یہ بندہ
 خدا معنی کے تصویر کھنچ کر دعویٰ خدائی نہ کری کس حوصلہ کا آدمی ہی
 سچ تو یوں ہی کہ جناب ہمارا جہ صاحب والا مناقب عالی شان
 ایسی پرشاد نارین سنگہ بھادر جس باغکی آرایش کے کار فرما ہوں
 آہ پیر او سپر طرہ یہ کہ مرزا سرور چمن آرا ہوں وہ باغ کیسا ہوکا
 بہشت نہوکا تو اور کیا ہوکا کوئی نہ کہی کہ یہ لہویش گوشہ نشین فضول
 و سبکدوش ہی تی دکھی بہالی حضور کا شاگرد کیوں ہی صاحبو
 حاتم سی مہنی کیا دولت پائی ہی کہ اوکی سخاوت کی شاکر تی ہین
 رستم سی کہاں شکست کھائی ہی کہ اوکی شجاعت کا ذکر کیا کرتے
 ہین مہمذا جناب ہمارا جہ صاحب میل المناقب عیم الاحسان
 بابو یرسدہ زرائن کا مورد عنایت رہا ہوں جن دنوں وہ دلی میں

تشریف لائے ہیں اکثر اوقات شریک صحبت رہا ہیں جب شاہ صاحب
اور بیگانگی درمیان ہو تو انکا نیاز مند کیون انکا ثنا خوان نہ ہو
ہمیں نہیں میرا کیا منہ ہی ثنا خوانی کا تین تو عاشق ہوں انکی شاعر پر
و منندان کا حضور نے قدر دانی کے سرور نی گھر فاشانی کی حضور کا اقبال
سرور کا کمال حضور کی عالی ہمتی سرور کی خوش قسمتی انشا اللہ تعالیٰ
ی نقش صفحہ روزگار پر یادگار رہی گا مصنف کا مشہور رنگین بیانیں
ہمارے عالی جاہ کا نام فیض رسانی میں تاروقہ شمار رہے گا.....

دیباچہ دوسرا

سبحان اللہ شاہذریابی سخن کا حسن بی مثال شاہ اوسکا نور افزا
نگاہ تصور اوسکا انجمن انصاف و خیال از روی لفظ اہل معنی کے نظر میں آئینہ عاض
جمال من حیث المعنی بصورت صنعت قلب کلام کا تغلوب یعنی کمال
اگر نفس ناطقہ کو حق نے بصورت انسان پیدا کیا ہوتا تو اس صورت
میں ہم کیونکر کہیں کہ کیا ہوتا اس بخت و فقر کے نظارگی بی باہر مست
ہو جاتے اور یہ ہر پیکر ہوش ربا دیکھ کر اہل معنی کی قلم صورت پرست ہو جاتے
نظم میں اور ہی روپ نثر میں اور ہی ڈھنگ فارسی میں اور ہی زمرہ

زمزمہ اردو میں اور ہی آہنگ سیر و توارخ میں وہ دیکھو جو تم سے
 سینکڑوں برس پہلی واقع ہوا ہوا فساد و داستان میں وہ کچھ سنو
 کہ کبھی کسی نے نہ دیکھا ہو نہ سنا ہو ہر چہ خردمندان بیدار مغز تواریخ
 کیطرت بالاطبع مایل ہونگی لیکن قصہ کہانے کی ذوق بخشی و نشاط انگیزی کے
 ہی دل میں قایل ہونگی کیا تواریخ میں متنوع الوقوع حکایات نہیں نا اخصائے
 کرتے ہو یہ کچھ بات نہیں سام اپنی مسر زند کو پہاڑ پر پکوا یی سیرغ
 اوسکو اپنی گھونسل میں اوٹھا لائی پرورش کر کی پہلوان بنائی کو اب
 حرب و ضرب سکھای چہر جب رستم اسفندیار کی لڑائی سی گہرا ائی تو
 زال اوس اسم بی سمنی کو بلای سیرغ گردان کو توڑ کیطرح سیٹھی کے آواز
 سنستی ہی چلا آئی اور اپنی بیت کی لپ یا اور کسی دعا سی رستم کے
 زخم اچھی کر کے ایک تیر و دو شاخہ دیکر تشریف لیجای رستم دس برکی غریز
 مست ہاتھی کو ہلاک کری حبشہم بد دور جوان ہو تو دیو سپید کو تہہ خاک
 کری فرعون کا دعویٰ خدائی مشور ہی شہاد و نمرود کا ہی تواریخ میں ایسا
 مذکور ہی اگر اہل طبیعت ایک پہلوان زبردست حمزہ دیکوش رستم جیسا
 قرار دین اور ایک زمر و شاہ گمراہ دعویٰ خدائی کرنی والا مثل نمرود گمراہ

تو گویا ایک ڈھکوسلا بنایا ہی مگر اچھا بنایا ہی اور نہیں روایات کا چربا اٹھا ہے
 مگر اچھا ادھایا ہی موعظت و پند نہیں ترہات ندیمانہ ہی سیر و اخبار نہیں
 جو مٹا فسانہ ہی داستان طرازی نمنہ فنون سخن ہے سچ تو یہی کہ دل
 بہلانے کی لمبی اچھا فن یہ ہے غزنی کے عیار بیان دیکھو حمزہ کی میدان داریاں دیکھو
 جامع ان حکایات کا کوئی سنو ر ایران کا ہی گمروہ میر تقی محمد شاہی جو ندیم و تن
 الدولہ اسحق خان کا ہی ادب سنی بوستان خیال میں کچھ اور تماشا دکھلایا گویا
 بارغ ارم کو ہندستان میں لایا اون قصص میں کسی ایک جلد ہی مژنا رہ
 واہ ری بزم و رزم و سحر و طلسم حسن و عشق کے گری ہو گا مہر الدین کی طلسم
 کشایان اگر بسنین تو امیر حمزہ کے یہ صورت ہو کہ اپنی صاحب قرانی کو ڈھونڈ
 پہرین اور کہیں پتا نہ پائیں ابوالحسن کے عیار نوکی جوہر اگر دیکھیں تو خواجہ عمرو
 کو یہ حیرت ہو کہ زیرہ کسی آنکھیں کھلی کے کھلی رہ جائیں درحوالہ میل پرادرزادہ
 سعادت تو اماں خواجہ بد الدین خان عرف خواجہ اماں کہ وہ ایک
 جوان شیریں بیان تیز ہوش آور ہرن کے کمال کے تحصیل میں سنی کش
 و سخت کوشش ہی ہستار کا خیال جو آیا تو ایسا بجایا کہ میان تان سین
 کو آنکھیں پھر نہ پایا مصوری کی طرف جو طبیعت آگئی تو وہ تصویر کھینچی کہ اس کو

پہنچی کہ اس کو دیکھ کر مانی و ہزاراد کو حیرت آئی اس اقبال آثار کا یہ
 ارادہ ہوا معز نامہ کی فارسی کے اردو کرنی پر آمادہ ہوا معز الدین
 فیروز بخت کی کشور کشایان الہو الحسن جوہر کی نینگ نہایان
 عجایات حکیم قسطاس کے حیرت فرایان لکھ نہ بھار کی زکین ادایان
 جمشید خود پرست کی زور آزمایان صنادکوں منحوس کے بیجایان
 مسلمین و کفار کی لڑایان مسلمانوں کی بہلایان کافروں کے
 برایان فارسی سی اردو میں لی آیا یوں تصور کرو کہ تلو وارو میں
 ایک قصر دلکش یا ایک خانہ باغ روح افزا سترا سہ بنایا عبارت الہی
 کو ترک کیا ہی گویا تقریر کو پیرایہ تحریر دیا ہی بعد امت تمام نگارش
 غالب نلک زدہ سی دیباچہ لکھنی کے آرزو کی تیں فی ہر چند عجز آئینہ
 و معذرت آئینہ گفتگو کی بیدار گرنی ایک بات نشنی اور ایک عذر
 نہانا بہلا اس اصرار کا کیا علاج اور اس ضد کا کیا ٹھکانا بیجا بچا
 بجز خامہ فرسائی کچھ نہ آئی اس دیباچہ کی انجام کا کوئی نگہ نظر
 نہ آیا عالم ارواح کو سیدہ چلا گیا اور حضرت نظامی سی ایک شعر
 مانگ لیا اوسے شعر شعری شعار کو خامہ میں لکھ دیتا ہوں بہت

تہک گیا ہون اب دم لیتا ہوں نظم شکر کہ این نامہ بعنوان رسیدہ
پیشتر از عمر پایان رسیدہ

رقعہ

ہا نصاحب تم کیا چاہتی ہو کیا لکھوں تم میری مہم نہیں جو سلام لکھوں
مین فقیر نہیں جو دعا لکھوں تکتو وہ محمد شاہی روشن پسندین کہ یہاں
خیریت ہی و انکی عافیت مطلوب ہے برنجور دار سج کیو اگلونکی خطوط کے چاہ
تحریر کی یہی طرز تھے یا اور فادہ کیا شیوہ ہی اور پر جت تک دیون نہ
لکھو کویا وہ خط ہی نہیں ہے چاہ بی آب ہے آبرو باران ہی نخل میوہ ہے
خاندانی چراغ ہی چراغ بی نور ہی ہم جانتی ہیں کہ تم زندہ ہو تم جانتی
ہو کہ ہم زندہ ہیں امر ضروری کو لکھہ یا زواید کو موتوف کیا میفریادین
ایکبار آئی تھی پہر نہ آئی۔ تشر فارسی نے مین نے کہاں لکھی کہ تمہاری چچا
کویا تکتو ہیج دون نواب فیض محمد خان کی بھائی حسن علیخان مرگے
حادثہ علیخان کے ایک لاکھ تیس ہزار کے سودہ پیر کی ڈکری بادشاہ
پر ہو گئی۔ تکتو دارد غہ بیمار ہو گیا تھا آج اوسنی غسل صحت کیا باقر علیخان
کو مہینا بہر سی تپ آتی ہی حسین علیخان کے گلی میں دو غرود

از خطہ شہر مظاہر نور احمد

غدد ہو گئی ہیں شہر چپ چاپ نہ کہیں پہاڑا بچتا ہی نہ سنگ
 لگا کر کوئی مکان اڑایا جاتا ہی نہ آہنی سرک آتی ہی نہ کہیں درہ بننا
 دلی شہر غموشان ہی کا غنڈہ بڑا اور نہ تمہاری دلی خوشی کو پہلے
 اور لکھتا یکشنبہ ۲۲ ستمبر

رقعہ

بہائی حق تو ناکون کی کسی باتیں کرتی ہو جو ماجرائیں نے سنا تھا وہ بہتہ
 موجب تشویش تھا تمہاری تحریر سی وہ تشویش رفع ہو گئی پہر تم کو
 ہاں واویلا کرتے ہو اوپر کا حاکم موافق ہے ماتحت کا حاکم جو مخالف تھا ہو گیا
 پہر کیا قصہ ہی قاطع برہان کی سودی سب میں فی پچار ڈالی اس واسطی کہ
 ہر نظر میں اس کی صورت بدلتی گئے وہ تحریر یا اکل خوش ہو گئی ہاں اس کے
 نقلین صاف کہ حسین کی سی طرح کی غلطی نہیں نواب صاحب نے کر لیں ہیں کیا
 جی یہ واسطی ایک بہائی نصیحت الہیہ خان کی واسطی میری ہلکے کے جو کتاب ہے اس کی
 جلد بندہ جای تو بطریق مستعار تھو پہچ دون کا تم اس کی نقل لکھ کر
 کتاب بھگو پہر دنیا اور یہ امر بعد محرم واقع ہو گا مگر یہ یاد رہی کہ جو
 صاحب اس کو دیکھیں گی وہ ہرگز نہ بہینگی صرف برہان قاطع کی نام پر جان دیگی

کئی باتیں جس شخص میں جمع ہوں گی وہ اسکو مانیکا پتی تو عالم ہو سکے فن لغت
کو جانتا ہو تیسرے فارسی کا علم خوب ہو اور اس زبانی اسکو لگا دو
اساتذہ سلف کا کلام بہت کچھ دیکھا ہو اور کچھ یاد ہی ہو چوتھی مصنف
ہو مٹ دہم نہ ہو پانچویں طبع سلیم و ذہن مستقیم رکھتا ہو متوجہ اللہ بن اور کج
فہم نہ ہو نہ یہہ پانچ باتیں کسی میں جمع ہوں گی اور نہ کوئی میری محنت کی داد دے گا
فہمیش کا لفظ میان بدہا و لدیان مجا اور لالہ گنیشی اس لالہ یہہ دن ناچہ
کا کھڑا ہوا ہی میری زبانی کہے تھی سنا ہی اب تفصیل سنو امر کی صیغہ کے
آگے بیشین آتا ہی تو وہ امر معنی مصدر ہے دیتا ہی اور اس شین کو حاصل بالصد
کہتی ہیں تو فتن مصدر سوزد مضارع سوز امر سوزش حاصل بالصد
اسی طرح ہیں خواہش کا ہش و گزارش گذارش و آرایش و بیزیش و فرایش
فہمیدن فارسی الاصل نہیں ہی مصدر جعلی ہے فہم لفظ عربی الاصل ہے طلب
لفظ عربی الاصل ہے انکو موافق قاعدہ تفرسی فہمیدن و طلبیدن کر لیا ہے
اور اس قاعدہ میں یہہ کلیمہ ہی کہ لغت اصلی عربی آخر کو امر بن جاتا ہی فہم
یعنی فہم سمجھ طلب یعنی بطلب گے فہم مضارع بنا طلبہ مضارع بنا خیر یہہ
فرض کیجی کہ جب منہ مصدر اور مضارع اور امر بنایا تو اب حاصل بالصد

بالمصدر کیون نہ بنائیں سنو حاصل بالمصدر ہنس اور طلبش چاہی فہم تھا
 صیغہ امر فہم میں کسی نکلا تھا الف اور بی کیانسی لایا تھا ہی تو نہیں جو فہم
 درست ہو کہین فرمایش کو اسکا نظیر گمان نکرنا وہ مصدر اصلی قاری
 فرمودن ہی فرمایہ مضارع فرما امر حاصل مصدر فرمایش زیادہ زیادہ۔

رقعہ

اُرمیان سیدزادہ آزادہ دلی کے عاشق دلدلہ ڈہی ہوئی اُرمیان
 بازار کی کہنی والی حسد لکھنو کے بڑا کہنی والی نہ دل میں مہر و آدم نہ لکھ
 میں حیا و شرم نظام الدین ممنون کہاں فوق کہاں مومن خان کہاں
 ایک آزدہ سو خاکوش دوست سرا غاب وہ بخود و مد ہوش نہ
 سغورے رہی نہ سغندانی کس برتی پرتیا پانی ہای دلی ای دلی
 بہاڑ میں جامی دلی سنو صاحب پانی پست کی رکیوں میں ایک شخص
 جن احمد حسین خان ولد سردار خان ولد دکنور خان اوزنا اوسر
 احمد حسین خان کی غلام حسین خان ولد صاحب خان اس شخص کا
 حال از روی تحقیق مشرّع اور مفصل لکھواؤم کیا ہی معاش کیا ہی طریق
 کیا ہی احمد حسین کی عمر کیا ہی لیاقت ذاتی کا کیا رنگ ہے طبیعت کہا

۷۷
کیا ڈونگا کہ بہائی خوب چھانکر لکھ اور جلد لکھ ۱۲ پنجشنبہ ۲۶ مئی ۱۸۷۷ء
رقعہ

سید صاحب اچھا ڈکوسلا لکھا لا ہی القاب کے شکوہ شروع کر دیا
اور میر نصاحب کو اپنا ہونہاں کر لینا تین میر مہدی نہیں کہ میر نصاحب
پر مڑا ہوں میر نصاحب از حسین نہیں کہ اوکو پیار کرتا ہوں علی کا غلام او
سلوات کا معتقد اوس میں تم ہی آگئی کمال یہ کہ میر نصاحب سی حبیب
قدیم ہی دوست ہوں عاشق دار نہیں بے کسر و وفا ہوں گرفتار نہیں
تمہاری بہائی نے سخت مشوش بلکہ نعل درتاش کر رکھا ہی ایک سلام
اصلاح کیواسطی پہنچا اور لکھا کہ محرم کے بعد میں ہی آؤنگا میں نے سلام
رہنی دیا اور منتظر رہا کہ ڈاک میں کیوں نہ پہنچوں وہ آئینگی تو ہیں اوکو
دی دونگا محرم تمام ہوا آج شنبہ ۱۶ صفری حضرت کا پتا نہیں آ رہا
برسات نی آئی ندیا برسات کا نام آگیا تو پہلی تو مجھلا سنا ایک
غدر کا ڈونگا ایک چنگا مہ گور ڈونگا ایک فتنہ اہلدام مکانات کا
ایک آفت دیا کی ایک مصیبت کال کی اب یہ ہر برسات جمع
حالات کی جامع ہی اکیسواں دن ہی آخواب طرح گاہ گاہ نظر آتا ہے

آجاتا ہی جس طرح بجلی چمک جاتی ہی رانگو کہی کہی تیری اگر دکھائی
 دیتی ہیں تو لوگ اونکو جگنن سمجھ لیتے ہیں اندھیری راتوں میں
 چور و کئی بن آئی ہی کوئی دن نہیں کہ دو چار جگہ کے چور کیا حال دسنا
 جایی مبالغہ نہ سمجھنا ہزار ہا مکان گر گئے سینکڑوں آدمی جا بجا دب کر
 مری گئی گلی گلی نڈی بہہ رہی ہی قصہ مختصر وہ ان کال تھا کہ نہیں نہ برساتے پیدا
 ہوا یہ پن کال ہے پانی ایسا برسا کہ بوی ہوئی دانی بہ گئی جنہوں نے ہی
 نہیں بویا تھا وہ بونی سی رہ گئی سن یاد دلی کا حال اکی سو کوئی ہی بتا
 نہیں ہے جناب میر نصاحب کو دعا زیادہ کیا لکھوں ششہ نیمہ یکم صفر

۲۹ جولائی سال رشتا خیز ۸ ۱۲۷۷

رقعہ

بھائی کیا پوچھتی ہو کیا لکھوں دلی کے ہستی منہ کر کے ہنگاموں پر تھی قلعہ
 چاندنی چوک ہر روزہ بازار مسجد جامع کا ہر مغتہ سیر منہا کی پل کے
 ہر سال میلہ پول دانوں کا سیہ پانچون باتین اب نہیں پہر کو دلی
 کہان ہان کوئی شہر قلمرو ہندین اس کا نام کا تہا نواب گورنر جنرل ہند
 ۱۵ دسمبر کو یہاں داخل ہوئی دیکھی کہان اترتی ہیں اور کیونکر دوار

کرتے ہیں آگے کی درباروں میں سات جاگیر دار تھے کہ ان کا الگ
 الگ دربار ہوتا تھا۔ ہتھکڑیاں لگے ہوئے ایک ایک گڑھ فرخ نگر دو جہانہ پانڈوی
 لوہارو چار معدوم محض تین جو باقی رہی اوس میں سی دو جہانہ و لوہارو
 تحت حکومت ہانسی حصار پانڈوی حاضر اگر ہانسی حصار کا کشتہ
 اون دونوں کو یہاں لی آیا تو تین رئیس ورنہ ایک رئیس بس رہی دربار
 معام والی مہاجن لوگ سب موجود اہل اسلام میں سی صرف تین
 آدمی باقی ہیں سیرتہ میں مصطفیٰ خان سلطان جی میں مولوی صدر الدین
 بلیارو نہیں سب دنیا موسوم بدستہ تینوں مردود و مسطر و محروم و مغوم نظم
 توڑ بیٹھی جب کہ ہم جام و بوہرہ ملو کیا ۔ آسمانی بادہ گلغام گر بر بار کی :-
 ہم آتی ہو چلی آؤ جان نثار خان کے چہتی کے سرک خا پنڈ کے کوچی کی سرک
 دیکھ جاؤ بولتے بیگم کے کوچی کا ڈھنا جامع مسجد کے گرد شہر گز گول
 میدان نکلتا سن جاؤ غالب اندر دیکھ جاؤ چلی جاؤ ^{نقطۃ العصر} ^{کلیں}
 میرنسر او جین کو دعا حکیم الملک حکیم میرا شرف علی کو دعا قطب الملک
 میرنہیل الدین کو دعا یوسف ہند میرافضل علی کو دعا مرقومہ ^{صبح} ^{جہاد} ^{یاد}
 الاول ۲ دسمبر سال حال

نظم جو یامی خال دہلے والور سلام لو:

مسجد جامع واگراشت ہو گئی چلی قبر کے طرف کی سیڑھیں پر کیا ہیں نے ^{انٹرنیٹ}
 دکانیں بنالین انڈا مرغی کو تو رکینی لکا عشرہ مشہد یعنی دس آدمی مہتمم ^{معاذ اللہ}
 ہری مرزا الہی بخش مولوی عبداللہ بن فضل ^{حسن خان} فضل احمد خان
 تین یہہ اور سات اور ۷ نومبر ۱۳ جمادی الاول سال جمعہ کی دن
 ابو ظفر سراج الدین بھادشاہ قید فرنگ قیدیم کر رہا ہوئے
 آنا لہ وانا الیہ راجعون جاڑا پڑ رہا ہی ہماری پس شرب کی
 اور ہی کل سی مالک توڑی انگلی پر گولہ ہی بول کلاس موقوف ہے

جان غالب ابکی ایسا بیمار ہو کیا تھا کہ مجھ کو خود افسوس تھا پانچویں دن ^{انٹرنیٹ}
 غذا کہا جی آب اچھا ہوں تندرست ہوں ذی الحجہ ۱۳۷۲ تک کچھ ^{معاذ اللہ}
 کھٹکا نہیں ہی محرم کی پہلی تاریخ سی اند مالک میر نصیر الدین آئی کے
 بارگزمین سے اونکو دیکھا نہیں ابکی بار درد میں مجھ کو غفلت بہت رہی
 اکثر اجاب کے آنکی خبر نہیں ہوئی جب سی اچھا ہوا ہوں سید صاحب

ہنیں آئی تمہاری آنکھوں کی غبار کے چھیدہ یہی کہ جو مکان دلی میں ڈھائی
 گئی اور جہان جہان سرکین نکلیں جتنی گرد اُڑی اوسکو اپنے
 ازراہ محبت اپنی آنکھوں میں جگہ دی بہر حال اپنی ہو جاؤ اور جلد
 آؤ محمد انصاری میرزا حسین کا خط آیا تھا میں نے میرزا صاحب کے اندھے کے
 خوف سی اوسکا جواب نہیں لکھا یہہ رقعہ اون دونوں صاحبوں کو
 پڑھا دینا تاکہ میرزا فرات حسین صاحب اپنی خط کی رسید معلوم ہو جائیں
 اور میرزا صاحب میری پاس الفٹ پر اطلاع پائیں چار شنبہ ۶ جون ۱۸۶۷ء
 رقعہ

برسات کا حال ہو پھر خط کا تھری قاسم جا کی گلی سواد تنہا کی نہری میں
 جس مکان میں رہتا ہوں عالم بیک خان کی کھتری کے طرف کا دروازہ
 گر گیا مسجد کی طرف کی دالان کو جاتی ہوئی جو دروازہ تھا وہ گیا سیر ہیا
 گرا چاہتی ہیں صبح کی بیٹھنی کا حجرہ جھک رہا ہی چیتین چلنیاں ہو گئے ہیں
 مینہ گھڑی بہر بسی تو چہت گہنتا بہر بسی کتابین قلمدان سب توشہ خانے
 میں فرش پر کہیں لگن رکھا ہوا کہیں چلی دہری ہوئی خط لکھوں کہاں
 بیٹھ کر پانچ چار دن سی فرصت ہی مالک مکان کو فکر مت ہی کج ایک

ایک امن کے صورت نظر آئی کہا کہ آؤ میری مہدی کے خط کا جواب لکھوں
 آؤر کے ناخوشی راہ کی محنت کشی تپ کی حرارت گئی کے شدت یا سکا
 عالم کثرت اندوہ و غم حال کے مستقبل کا خیال تباہی کا بیج آؤر کی کا طول
 جو کچھ کہو وہ کم ہے باقی فعل تمام عالم کا ایک عالم ہی سنتی ہیں کہ نومبر میں
 ہمارا جد کو اختیاری ملیگا اُن ملیکا مگر وہ اختیاریاں ہو کا جیسا خدا نے
 خلق کو دیا ہی سب کچھ اپنی قبضہ قدرت میں رکھا آدمی کو بدنام کیا
 کچھ ہی باری رفع مرض کا حال لکھو خدا کری تپ جاتی رہی ہو تندرستی
 حاصل ہو گئی ہو میر صاحب کہتی ہیں نظم تندرستی ہزار نعمت ہی ہاں پیش مصرع
 مرزا قریب علی بیگ لکھنے کیا خوب ہم پہنچا یا ہی مجھ کو بہت پسند آیا ہی
 نظم تنگہ ستے اگر نہ ہو سا لکھ : تندرستی ہزار نعمت ہی : محمد علی صاحب
 جناب میر سرفراز حسین صاحب کو دعا آؤر ابا میر افضل علی صاحب
 کہان میں حضرت پہلے تو اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہی لکھو کے مجتہد
 العصر کے بہا لکھا نام میر نصاح تھا بھلا آؤر بھلا دھاک صبح جمعہ
 ۲۶ ستمبر ۱۸۶۲ء

نظم بی محی نکستہ در کھٹ من خامہ روائی :-
 سداست ہوا آتش بے دود کجائی :-

میر ہندی صبح کا وقت ہی جاڑا خوب پڑا ہی انگلیٹی ماسنی رکھی ہوئے ہے
 دو حرف لکھتا ہوں آگ بپا چاہوں آگ میں گئی سہی مگر ہای وہ آتش
 سیال کہاں کہ جب دو ہر پی پی لئی فوار گ وپی میں دو گئی دل تو نا
 ہو کیا دماغ روشن ہو گیا فضل ناطقہ کو تو اجد بھم ہنچا میان تم پس نہ کیا
 کر رہی ہو گوزر جنرل کہاں اور پس کہاں دہشتی کشر صاحب کشر لغت
 گوزر جب ان تینوں نے جواب دیا ہو تو اس کا مرافعہ گوشت میں
 کروں بھی تو دار و خلعت کے لالی پڑی ہیں تمکو پس کے فکر ہی بیان کی حاکم نے
 میرزا نام فردین نہیں کہا میں نے اس کا اپیل لغت گوزر کے ہاں کیا ہے
 نظم دیکھی کیا جواب آتا ہے :- بہر حال جو کچھ ہوگا تمکو لکھا جائیگا ابی وہ پو
 ہندو سہی یوسف دہر سہی یوسف عطر سہی یوسف ہفت کشور سہی
 اونکی زلیخا نے ستم بپا کر رکھا ہی بھی تو خبر نہیں کہیں حضرت کہہ گئی ہیں
 کہ میں ساڑھی سات روپیہ مینا بھی جاؤنگا الب کے تقاضا ہی
 رحیم بخش روز آتا ہی اور کہتا ہی کہ پو پو جاکو لکھو کہ پو پو جان پو کی

ہوگی مرنی ہیں غریب جلد بہو ورنہ ناش کے جاگی اور ٹکڑے کو اتر دیا جائے
 بہر حال میر نصاحب کو یہ عبارت پڑھوا دیا میر سر فرار حسین کو
 دعا میر نصیر الدین کو دعا حکیم میر اسد شہرت علی کو دعا یوسف ہفت کشور کو
 دعا شمس الدین اسد سیر ۸۵۹ کسر ع

رقعہ

بھٹیلہ تمہارا خط پہنچا مگر یہ غصہ ہے کہ میں اس کا جواب نہیں
 لکھ سکتا اور وہ جواب طلب ہے جواب کیا لکھوں قواعد عطا دیے
 برہم ہو گئے نئی نئی دستورین شہرت ہوئی کہ لارڈ صاحب نے ہیں
 فردی کو انبالی پہنچینگے اہل دہلی کے ملازمت وہاں ہوگی اب یہاں
 بند ہی کہ فردی میں کلکتہ سے چلینگے بنارس الہ آباد اکبر آباد جوتے ہوئے
 مارچ کو انبالی پہنچینگے آوری پور کوڑہ تین راجہ اگر پہنچ گئی وہاں میر
 فرس کی طرح بیکار دہری ہوئی ہیں آوری کے راجہ گویا میں ان کے
 خریدار دھڑتی پھرتی ہیں کوئی شکرم کوئی کراچی ڈھونڈ رہا ہی کوئی پیارہ
 چل نکلا کسی نے مانگی کا ٹوہم پہنچایا یہ سب قصی کی طرف استیا ہوں
 کہ راجستان کی اجنت فی سب سے بڑے کو لکھا ہی کہ لارڈ صاحب تین بلا تیز

جسکا جی چاہی اُو جسکا جی نچا ہی نہ اُو اس تحریر کو دیکھ کر جو عذرا گاہ
 جا پہنچی وہ پیشیمان ہین جو آہ مین مین وہ وہین ہنسک رہی ہین نہ اُگی بڑھی
 ہین نہ بچی ہنسکتی ہین جو اپنی مقام سی نہ ملی تھی وہ اچھی ہی یہاں مقیم
 ہماؤ مین برس گئے ہین گھوٹ چنا اچھا ہوگا ربیع کی امید پڑی نظم ~~افس~~
~~پڑا اور بہن میں~~ ~~مخالفیت~~ ~~جام من~~ ~~از من~~ ~~تھی~~ : سیدی بات پر ایک زخم
 بائیں بازو پر ایک گھاؤ سیدہ ران پر ایک پھوٹا یہ حال میرا ہے
 باقی غیر وعافیت میرے سر از حسین صا اور میرے صاحب کو دعا پہنچی غالب
 رقعہ

جان غالب تمہارا خط پہنچا غزل اصلاح کی بعد پہنچی ہے نظم ہر کے پوچھتا
 وہ کہاں ہے : مصوع بدل دینی سی یہ شعر کس تہی کا ہو گیا ہی ای میر صاحب
 تمہیں شرم نہیں آتی نظم میان یہ اہل دہلی کے زبان ہی : اہل دہلی ہندو
 ہین یا اہل حرفہ ہین یا خاکی ہین یا پنجابی ہین یا گوری ہین انین سی تم
 کے زبان کی تعریف کرتے ہو لکھنؤ کی آبادی مین کچھ فرق نہیں آیا است
 تو جاتی رہی باتے ہر فن کے کامل لوگ موجود ہیں

اصدا دلی نہ رہی اور دلی والی اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کیے
جاتی ہیں واہ ری حسن اعتقاد آئی بستہ خدا آندو بازار نہ رہا رڈ
کہان دلی شہر نہیں ہے کلا ہے چھاؤنی ہی نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ نہر
قلعہ

جمعہ ۷ محرم ۲۶ جولائی سید صاحب کل پردن رہی تمہارا خط پڑھا
پہنچا یقین ہی کہ اوسوقت یا شام کو میرے سر فراز حسین تمہاری پاس پہنچ گئے
ہوں حال سفر کا جو کچھ ہے انکی زبانی سن لوگی میں
کیا لکھوں میں نے بھی جو کچھ سنا ہی اور نہیں کسی سنا ہی انکا اسطرح
ناکام پہر آنا میری تمنا اور میری مقصود کے خلاف ہی لیکن میرے
عقیدہ اور میری تصور کی مطابق یہ ہے میں جانتا تھا کہ وہاں کچھ
نہو کا سود پیہ کی زیر باری ناحق ہوئی چونکہ یہ زیر باری میری ہر دے
پر ہوئی تو مجھی ہے شہر ساری ہی تین نے اس چٹا سٹٹ برس میں
اسطرح کے شہر ساریاں اور روسیاہیاں بہت اوٹھائی ہیں
جہاں ہزار داغ ہیں ایک ہزار ایک ہی میرے سر فراز حسین کے
زیر بارے سی دل کو دہتا ہی

ایک مولوی و عظیم شراب کے مذمت کر رہی تھی منہ رانی لگی ادا نے
 بُرائی اس میں یہ ہے کہ جب تک اس کی بو آدمی کے منہ سے آتی ہی دعا
 نہیں قبول ہوتی تین دنوں کے بعد کہہ کہ مولوی صاحب آدمی شراب جب
 پیگا کہ تین باتیں اوسکو میسر ہونگی پہلی تنہا رہتی پھر دو تہدی
 پھر خاطر جمع اب آپ انصاف کریں جب یہ تینوں چیزیں حاصل
 اور موجود ہوئیں ایسی اور کیا چیز باقی رہی کہ انسان اوسکی تمنا
 کری اور اوسکے ملنے کے واسطی دعا کرے

لطیفہ

شعبہ میں جو میرٹ سی باغی ترک سوار اور تلنگی دلی میں آئے
 اور اونہوں نے شہر پر اور قلعہ پر اپنا قبضہ کر لیا تو وہ سی مہینی کے
 اتار بیچ تھی اور دو شنبہ کا دن تھا افسار احمد ستمبر شعبہ
 میں دلی فتح ہوئی اور سرکش لوگ بھاگ گئے وہ بھی دو شنبہ کا دن
 تھا دو ایک دوستوں نے کہا کہ دیکھو کیا اتفاق یہ ہے دو شنبہ کو
 دلی کا جانا اور پھر دو شنبہ کو ہات آنا میں نے کہا کہ یہ ایک فرہ

۸۸

رمز ہی اسکو یوں تصور کرو کہ جس دن شکست کھائی اوسی دن
فتح پائی یعنی دیر نہ لگی ایک دن میں تدارک ہو گیا

نقل

غدر کے دنوں میں میں نہ شہر سی نکلا نہ پڑا کیا نہ میرے ربکار
ہوئی جس مکان میں رہتا تھا وہیں بدستور بیٹھا رہا اور بلیا رونے کے
محل میں میرا گھر تھا ناگاہ ایک دن آٹھ سات گوری دیوار پر
چڑھ کی اوس خاص کوچی میں اتر آئی جہاں میں رہتا تھا اوس
کو چہین بہم جہت ۵۰ یو ۶۰ آدمی بستی ہو گئے سب کو گھیر لیا اور
اپنی ساتھ پہلی مگر گرفتار نہیں کیا اور کسیکو سیرت نہیں کیا
نئی سی پہلی راہ میں سامان بھی آٹا اوسنی مجھسی صاحب سلامت کے
بعد پوچھا کہ تم مسلمان ہو میں نے کہا کہ آدھا مسلمان ہوں اوسنی
کہا اول صاحب آدھا مسلمان کیسا جس نے کہا شراب پیتا ہوں
ہیم ہوک نہیں کہا تا غرض کہ وہ مجھی کرنیل بروٹ صاحب کے پاس لگیا
وہ چاندیے چوک حافظ قطب الدین سوادگر کے حویلی میں اوسے
ہوئی تھیں باہر نکل آئی اور میرا صرف نام پوچھا اور دن سی نام

بھی پوچھا اور پیشہ بھی پوچھا تاہم میرا سنکر فرمایا کہ اسداٹھ خان
 بڑی محبوب کے بات ہی کہ تم بادلی پر نہ آئی میں نے کہا آپ سنیں تو
 کہوں کہا ان کہو میں نے کہا کہ تنگی دروازہ سی باہر آدیکو بھیج
 نکلنے نہیں دیتی تھی میں کو نکرتا اگر کچھ فریکے کوئی بات بنا کی نکل جاتا
 جب بادلی کے قریب گول کے زد پر پہنچتا پہرہ والا گورا بھی گولی مار
 دیتا یہہ بھی مانا کہ تنگی باہر جانی دیتی گوری گولی غارتے میری صورت
 کو دیکھتی اور میرا حال معلوم کیجی بوڑھا ہون پانو سی الیچ کاٹوں سے
 بہانہ لڑائی کے لایق نہ مشورت کے قابل ہاں دعا کرتا سو یہاں
 بھی دعا کرتا رہا کرنیل صاحب منہسی اور فرمایا اچھا تم اپنی گھر جاؤ اور اپنے
 نوکروں اور اپنی علاقہ داروں کو ساتھ لے جاؤ اپنی اہل محلہ سی غرض
 نہ کہو میں خدا کا شکر بجالایا اور کرنیل بروٹ صاحب کو دعا دیا ہوا
 اپنی گھر آیا۔

شعر

ہی کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں :۔ ورنہ کیا بات کر نہیں آتے :۔

مین ہی منہ میں زبان رکھتا ہوں :۔ شعر : کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے
قطع

پہر کہلا ہے در عدالت ناز :۔ گرم بازار فوجداری یہ ہے
ہو رہا ہی بھان میں اندھیر :۔ زلفت کی پہرہ شستہ داری یہ ہے
پہر دیا پارہ جسکے سوال :۔ ایک منہ یاد واکہ واری یہ ہے
پہر ہوئی ہین گواہ عشق طلب :۔ استباری کا حکم جاری یہ ہے
دل و مرثگان کا جو مقدمہ تھا :۔ آج پہر او سکی رو بکاری یہ ہے

شعر
بوسہ دیتی نہیں اور دل پہ ہر نقطہ گاہ
جبین کہتے ہین کہ رفت آئی تو مال چاہے

شعر
ادکی دیکھی سی جوا جاتی ہی رن منہ
وہ سمجھتی ہین کہ بیمار کا حال اچھا ہے

شعر
ہیون شراب اگر تم ہی دیکھو لون چار
یہہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبویا ہے

شعر
میری قسمت میں غم گرانا تھا
دل ہی یارب کئی دئی ہوتے

خط لکھینکے کرچہ مطلب کچھ نہ ہو : شمسیم تو عاشق ہیں تمہاری نام کے
شعر

منہ مرنے پہ ہو جیکے امید : دنا امیدی اوکے دیکھا چاہیے
شعر

پلادی کو کسی ساقی جو مہی نفرت کی : نگلاس گرہین دیتا نہ دی شرب تو ہے
شعر

گو کہ کو جنبش نہیں اکھون میں تو دم : نہ رہی دوا ہی ساغر و میاں یاری کے
شعر

کون ہی جو نہیں ہے حتم بند : کسی حاجت دعا کری کوئے
شعر

بہو کی نہیں ہیں سیر گشت کی ہم کو : کیونکر نکھائی کہ ہوا ہی بھاری کے
شعر

غالب برائے نام جو داغ بڑا کہی : ایسا ہی کوئی ہی کہ سب اچا کہیں جسے
شعر

داغ غلطہ تم پیونہ کسی کو پلا سکے : کیا بات ہی تمہاری شرب طہور کے

سبکی دل میں ہی جگہ تیری جو تو راضی ہو : مجھ پہ گویا اک زانا مہربان ہو جائیگا

رات دن گردشیں ہیں ساتگان : ہو رہیگا کچھ نہ کچھ کہہ نہیں کیا

کہتی ہیں جب رہی نہ بھی حالت سخن : جانوں کی سیکی دلی میں کیونکر کہی بغیر

جہین ہی کچھ نہیں ہی ہمارو کرنے ہم : سر جا یا رہی زمین پر کہی بغیر

ہمنی مانا کہ تغافل نہ کر دیکھ لیکن : خاک ہو جائیگی ہم تم کو خبر ہوئی کت

قاصد کی آئی آئی خط لکھ لکھ رہوں : میں جاتا ہوں جودہ لگنی جواب میں

وہ آئی کہ میں ہماری خدا کی قدرت : کہی ہم ادھون کہی اپنی کہ کو کہتی ہیں

رج جسی جو کہ انسان تو مت جائیگا : عکسین پر ہیں اتنی کہ آسان ہو گئیں

سیکھی ہیں مہ نونکی لئے ہم مصویٰ ^{۹۳} فہم تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

کیا خوب قسمی غیر کو بوسہ نہیں دیا ^{شعر} بس چپ رہو ہلدی ہی مہنہ میں زبان ہی

پنیس میں گزرتے ہیں جو کوچی وہ سیر ^{شعر} کندا بھی کہا رو کو بلنی نہیں دیتے

ساتھ گری کے شہم کو آج نہ ہم ^{شعر} ہر شب پیای کرتے ہیں جس قدر ہے

خاتمہ

خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ یہ مجموعہ مختصر تمام ہوا ^{۹۴} اسے اسی یہ دعا
مانگتا ہوں کہ یہ تحریر میری ربی اور محسن کے پسند آئی قسمی جانا کہ میرے
مرتی اور محسن کون ہیں وہ کہ جنکی ہدایت کا شکر گزار اور غایت کا
امیدوار ہوں جب نام نامی اذکار دریا چہ کتاب میں مرقوم اور عالم
میں مشہور ہی تو بار بار حضرت کا نام لینا ادب کے وعدہ ہیں مگر ان غلطہ
میں یہ شعر لکھ دینا ضرور ہے

سبکی دین ہی جگر تیری جو تو راضی ہوں : مجھ پر گویا اک ناما مہربان ہو جائیگا

حواشی

از

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی

- ع سے مراد: عود ہندی، پہلی اشاعت (مجتبائی میرٹھ، ۱۲۸۵ء)
- م ۔ ۔ : اردوئے معلّٰی، پہلی اشاعت (اکمل المطابع دہلی ۱۲۸۵ء)
- م ۲ ۔ ۔ : اردوئے معلّٰی (مجتبائی دہلی، ۱۸۹۹ء، ۱۹۱۴ء) حصہ دوم
- خطوط ۔ ۔ : خطوط غالب، مرتبہ ہمیش پشاد، جلد ۱، آگرہ، ۱۹۴۱ء

ص ۱۲، س ۲-۳: "اور کئی بیٹے" کو کاتب پہاڑ چھوڑ گیا تھا۔ مقابلے کے وقت
 ان کا اضافہ دو سطروں کے درمیان کیا گیا ہے۔ اور بھی جہاں کہیں ایسی صورت تھی
 اُس کی نقل بجنسہ کر دی گئی ہے۔

اس ورق کے پچھلے کونے کے ضائع ہو جانے سے اخیر دو سطروں کی عبارت
 ناقص ہو گئی ہے، اور نہیں کہا جاسکتا مصنف نے یہاں کیا لفظ لکھے تھے۔ اُن کھوئے
 ہوئے لفظوں کو کم و بیش اس طرح تصور کرنا چاہیے:

[ہے والا بکاتب]

[فیض بخش دیش سائی]

ص ۲، س ۷ د ۹ (اور اور جگہ بھی) ٹ پر بجائے (ط) کے چار نقطے ہیں۔
 پلانا طریقہ تھا کہ ٹ، ڈ، ژ پر چار نقطے دیتے تھے، اس طرح: (:)۔ بعد کو (ط) کا
 دارج ہوا اور غالب کے زمانے میں عام طور پر (ط) لکھنے لگے تھے۔ لیکن کچھ لوگ نئے
 طریقے پر چلے، کچھ پرانے دستور کے پابند تھے، اور کچھ ایسے بھی تھے جو دونوں صورتوں کو
 کو جائز رکھتے تھے۔ غالب کے قلم کی تحریریں جہاں تک دیکھنے میں آئیں اُن میں "ٹ"
 پر اکثر و بیشتر چار نقطے پائے گئے اور کبھی کبھی (ط)۔ بخلاف اس کے "ڈ" اور "ژ"
 پر (ط) ہی ملتا ہے۔

— س ۱۲ (نیز ص ۸، س ۷): "ہندستان" (بغیر واو کے)۔ غالب کے ہاتھ
 کی لکھی ہوئی نسخہ تحریروں میں یوں ہی ہے۔ شعر کے وزن کی خاطر البتہ حسب ضرورت
 واو کے ساتھ یا بے واو لکھتے ہوں گے۔

— س ۱۳: "کوئٹہ پورٹ"۔ یعنی ملک کا شاعر۔ "پورٹ" کی انگریزی "ٹ"
 کو شاید ہندستانی "ٹھ" یقین کیا تھا۔

ص ۴، س ۲ پر تمہید ختم ہوئی۔ اب پہلا باب شروع ہوتا ہے جس میں
 دو دیباچے اور کئی مکتوبات لکھے ہیں۔

— س ۴: "پہلا دیباچہ"۔ یہ ایک تقریظ ہے جو غالب نے رجب علی بیگ سرود
 صاحب "نساء عجائب" کی ایک اور تالیف "گلزار سرود" پر لکھی تھی اور تقریظ ہی کے نام
 سے اُس کے شروع میں درج ہوئی ہے۔ (م ۲) میں بھی اسے "تقریظ" کہے
 لکھا ہے۔ لیکن چون کہ کتاب کے شروع میں ہی "اسے" "دیباچہ" بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس دیباچے
 یا تقریظ کا متن جو گلزار "میں ہے ہمارے قلمی نسخے کے ساتھ پوری مطابقت رکھتا ہے (م ۲)
 میں بھی، بسواں دو ایک معمولی سہو کا تب کے، کوئی اختلاف نہیں۔

”گھڑارہ“ پہلی بار ”مطبِع افضل المطابع محمدی“ میں ۱۰۷۰ھ اپنی کئی قطعیں ۲۳۱
 سطری سطر پرچھپی۔ اس پہلی اشاعت کا صرف ایک نسخہ دیکھنے کو ملا جو آخر سے ناقص ہے۔
 سرورق پر اشاعت کا سال لکھا نہیں؛ موقوف کے نام کے ساتھ، دوسری اشاعت کی طرح،
 لفظ ”مقصود“ نہیں ہے۔ اس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ کتاب کے پہلی بار چھپنے کے وقت
 مرزا سرور حیات تھے۔ دوسری بار کتاب زیادہ خوشنما اور خوشخط بھی ہے۔ اس دوسری
 اشاعت کا ایک سالم نسخہ میرے کتابخانے میں ہے۔ سرورق پر چھاپے خانے کا نام ”افضل
 المطابع نجم العلوم کارنامہ“ اور خاتمۃ المطبع میں ”افضل المطابع محمدی“ بتایا گیا ہے۔ یہ خاتمہ
 ظاہر پہلی اشاعت میں سے نقل ہوا ہے۔ دوسری اشاعت کے پہلے (رنگین) سرورق پر
 کتاب کا نام ”مجموعۃ تصنیفات ... میرزا رجب علی بیگ سرور مغفور الموم“ بہ گھڑارہ سرور
 خراسان عشق و شرف نثار“ ہے۔ اخیر دونوں تحریری شکوک گیارہ صفحے میں آگئی ہیں۔ ان کے آخر
 میں ایک اور خاتمہ چار پانچ سطر کا ہے جس میں چھاپے خانے کا نام ”مطبِع نجم العلوم کارنامہ“
 دارالاسلم واسل فرنگی محل ”لکھا ہے۔ اخیر (رنگین) ورق کے بیرونی سرخ پر اتھاس کے عنوان
 سے ایک عبارت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ”دوبارہ“ اور ”شراسعین و شرف نثار“
 ۱۳۰۷ھ میں چھپی تھی۔ ”گھڑارہ“ کا متن دونوں اشاعتوں میں ... اصفیہ پر آیا ہے۔ دونوں خانے
 اور یہ اتھاس محمد یعقوب کے لکھے ہوئے ہیں اور کتاب دونوں بار انھیں کے اہتمام سے شائع
 ہوئی۔ یہ اردو نثر نگاری میں سرور کے شاگرد اور اُن کے بڑے مخلصوں میں سے تھے۔ مٹھاپنے
 غلطیوں میں ان کا ذکر اکثر کرتے ہیں، ”مولوی“ اور ”صاحب“ ہمیشہ اور کبھی ”جناب“ بھی
 اضافہ کر کے۔ بعد میں مولوی یعقوب ایک اخبار ”کارنامہ“ نکاتنے لگے تو چھاپے خانے کے نام
 میں ”کارنامہ“ بڑھا دیا تھا۔

ص ۱۴، ص ۶: "حدائق العشاق"۔ یہ وہ فارسی کتاب ہے جسے سرود نے اردو میں منتقل کر کے "گزارہ سرور" نام دیا ہے۔ اس کا مؤلف رضی ابن محمد شفیق ویلچے میں کتاب ہے کہ یہ کتاب اُس نے "اللہ ویردی خاں صاحب و توفیق آقا سی و امیر شکار باشی و ہر الامراء کوہ گیلویہ و فارس" کے حضور میں پیش کی تھی۔ کتاب کا سال تالیف مذکور نہیں۔ اللہ ویردی خاں اپنے زمانے میں ایران کے بہت سربراہ اور وہ امیروں میں تھا اور نہایت اہم عہدوں پر فائز رہا تھا۔ گراں قدر ملکی اور فوجی کارگزاریوں کی بنا پر شاہ عباس اول کے عہد میں اُسے بہت عروج ہوا۔ شاہ عباس ۹۹۶ھ میں تخت پر بیٹھا تھا اور اللہ ویردی خاں ۱۰۲۳ھ میں مرگیا۔ اس لیے رضی کی کتاب اسی ۲۷ برس کے عرصے میں کسی وقت تالیف ہوئی ہوگی۔ شاہ عباس کی سلطنت کے ابتداء کی کسی برس جنگ

۱۰۷۰ھ "حدائق" اردو میں بھی بہت مقبول رہی جو علی محمد طحطاوی، لکھنؤ نے ۱۲۷۰ھ اور نوکھو نے ۱۲۹۱ھ میں اسے شائع کیا۔ اس کے علاوہ متعدد بار شائع ہوئی جو خوب ہیں۔ لکھ سرود سے مراد فقط "توفیق آقا سی" کا ترجمہ (مترجم غلط) تو لکھ دیا ہے، مگر "امیر شکار باشی" سے مراد نوکھو، کہ گیلویہ بھی حضرت حماد بن ابی ایک پہاڑی خطہ پر فارس سے متصل۔ "گزارہ" (ص ۳) میں بتا دیا گیا کی جنگ "اکر ویردی" غالباً کتب کا بہرہ ہے۔

۱۰۷۰ھ "حدائق" عالم آراے عباسی (شاہ عباس کے دیگر خاص دستخط) کی تالیف علی علی (۱۰۷۰ھ) ج ۱۲ ص ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶

اور ہدایتی میں گزرے تھے، اور ائمہ ویدی خان بھی ٹہنوں اور معروکوں میں مصروف رہا۔ اس لیے کم سے کم پہلے دس برس کو خارج از بحث سمجھنا بجا نہ ہوگا۔ آخر سے بھی تین چار برس کو خارج کر دینا بہتر ہوگا۔ اس طرح "عدائے عشاق" کی تالیف کا زمانہ ۱۰۰۰ھ اور ۱۰۲۰ھ کے درمیان ٹھہرتا ہے۔

"عدائے العشاق" ایک رزمیہ (یا استعارہ) تھیں، ہر معنی مجاز کے پہلے میں لکھا گیا ہے۔ جن اشخاص یا مقامات وغیرہ کا ذکر اس میں آیا ہے ان کے نام مجازی ہیں، یعنی ہر نام ایک رمز ہے جس سے ہوسم کر کے کردار یا خصوصیت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ بادشاہ کا نام "روح" ہے تو اس کا ولی ہمد "دل"، وزیر "عقل" سپہ سالار "صبر"۔ ایک دوسرا بادشاہ "عشق" ہے تو اس کی بیٹی "حسن" ایک ملک تالیف نام پاتا ہے تو اس کا تاجدار "ناموس" کہلاتا ہے۔ "روح" اور "عشق" کی طبیعتوں کا اختلاف اور "حسن" اور "دل" کے مزاجوں کا جویش و غرض دونوں بادشاہوں کے درمیان جنگ پھڑ جائے کا باعث ہوتا ہے۔

فارسی میں رزمی حکایتیں اکثر و بیشتر شہنوی کی شکل میں نظم ہوتی رہی ہیں جیسے کاتبی (متوفی ۵۹۳۹) کی مجمع البحرین جو "ناظر و منظور" کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ ہمدی اور "ناظر" اور "منظور" کی القاب کی حکایت ہے، جاتی (متوفی ۸۹۸ھ) کی "سلامان و ابدال" اور اس کے ہمعصر آہلی خیلانی کی "شعب و پروانہ" گیارہویں صدی ہجری میں شاہ عباس اول کے عہد کے شاعروں میں سے "نملانی نوازشای کی مختصر شہنویاں" آذو نمند اور "نورخید و آذہ" اس صنف کی خاص چیزیں ہیں۔ ان کے حوالے میں نشر میں لکھے ہوئے رزمی قصے بہت ہی کم ہیں۔ پہلا شخص جس نے نشر میں ایک مستقل رزمیہ لکھا یعنی ابن بیگ نقاشی (متوفی

۵۸۵۲) ہر دم اپنے وقت کے فضلا میں تھا۔ غزل میں کہیں اُسراہی یا تنہائی بھی تھیں
 کرتا تھا۔ مگر اس نے بھی پہلے (۵۸۴۰) ایک مثنوی پانچ ہزار بیت کی کہی جس میں
 خہزائی "حسن" اور خہزائے "دل" کی کہانی سناہی تھی اور اُسے "دستور عشاق"
 نام دیا تھا۔ پھر اُسی داستان کو مختصر کر کے نثر میں "حسن و دل" کے نام سے لکھا اور
 فارسی ادب کی دنیا میں یہ دونوں کتابیں بہت مقبول ہوئیں۔ ترکی شاعروں آپہ (مثنوی
 ۵۹۲۳) اور لاری (مثنوی ۵۹۳۸) نے پُر تکلف ترکی نثر میں، اور سلطان مراد سوم
 کے جہد (۹۸۲-۱۰۰۴ھ) کے شاعر دانی اور بعد کو حیدری نے ترکی نظم میں نقاشی
 کی تصنیف کو منتقل کیا۔ خود ایران میں، قاسمی سے کوہی دوسو برس بعد ملا روضی نے
 اُسی "حکایت حسن و دل" کو اپنی عبارت میں لکھا، لیکن نقاشی کا نام نہیں دیا۔ چند
 میں بھی کئی شخصوں نے اُس کا چربہ اُٹھایا۔ اکبر اور جہانگیر کے زمانے میں ایک مثنوی
 "حسن و دل" صلاح الدین نصیر زنی ساوہی نے لکھی جس کا صرف ایک ناقص نسخہ
 انڈیا آفس کے کتابخانے میں ہے (نشان ۲۸)۔ ملا دہی نے ۱۰۴۵ھ میں "سب" اُس
 اپنے نام سے کی آمد (نثر) میں لکھی۔ داؤد آئینی نے ۹ برس بعد "حسن و دل"
 ہی کے نام سے فارسی مثنوی لکھی (جس کا نسخہ بیبی یونی ورسٹی میں محفوظ ہے)
 اور ۱۰۹۵ھ میں خواجہ محمد بیدل نے وہی حکایت فارسی نثر میں لکھ کے اندر گزب
 عالمگیر کے نام سے مثنوی کی۔ لہٰذا ان سب کا ماخذ نقاشی کی نظم و نثر ہے۔ اُس کے

لے ان کے بعد ۸۴۳ھ میں نقاشی نے "شبستان بخت و گستاخانات" لکھی جس کا مختصر نام "شبستان
 خیال" زیادہ معروف ہو گیا۔ کوہی قصہ نہیں، بلکہ اسلام و ایمان، علم و زہد، اخلاق و ادب غروب و طلوع
 اس کے پہلے ایک قصہ جہانگیر کے اور تفریح و غروب کے لفظ پر ہے نے شائع کیا تھا (لاہور ۸۹۸ء)
 تلخیص قصیل کے لئے دیکھو سب برس "انگ اکابر" ۱۹۳۲ء کا مقدمہ ص ۷ سے ایک نیز ایرانی زبان میں لیتے
 کن فارسی ادبیات کا سفر (برگ ۱۰۹ء)۔ لکھ اس کتاب کا کلی نسخہ انڈیا آفس کے کتابخانے میں محفوظ ہے
 "بیدل" سے یہ دھوکا دینا چاہئے کہ میرزا عبدالعزیز بیدل ہیں۔

پیرودن نے اپنی اپنی شاعری اور عبارت آراء ہی کا کمال دکھایا ہے۔

ص ۳، ۱۵- ص ۵، ۱- یہ دو شعر غالب نے اپنی "گزارش بجنور شام" میں سے لیے ہیں اور دونوں شعروں میں لفظ "میری" کو "ایک" سے بدل کر انھیں مقام کے مناسب بنالیا ہے۔

ص ۵، ۶: "کہنچکر" بجائے "کہنچکر"۔

— ص ۸: "ایشری... بہادر" یعنی ہمارا جاحا صاحب بنارس جو سرحد کے مرتب تھے۔

ص ۶، ۲: "کیوں انکا" بجائے "کیوں اذکا" (ع)

— ص ۷: "رہے گا" پر عبارت تمام ہو گئی ہے۔ جو جگہ سطر کے آخر میں ہے

دہی تھی اسے مرث بھر دینے کی خاطر کا جس نے نکتے لگاٹے ہیں۔

دیباچہ دوسرا

خواجہ بہدالدین آسان دہلوی نے، جو غالب کے بھتیجے ہوتے تھے، "پورتن خیال" کی کئی جلدوں کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا جن میں سے ایک کا "حدائق انظار" دوسری کا "ریاض الابصار" نام رکھا اور غالب سے یہ دیباچہ لکھوا کر "حدائق انظار" کے شروع میں لگایا۔ یہ بھی (ع) اور (م ۲) میں شامل ہے۔

(ع) اور (م ۲) "حدائق انظار" کے متن سے بیشتر مطابق ہیں اس لیے یقین

لے آسان کے حالات کے لیے دیکھو نعت اشبیک کا مقالہ (زمانہ اردو) اپریل ۱۹۳۱ (ع) اور مضامین مختلف

صفحہ ۳۱ نیز ڈاکٹر قادری آبادی کا مقالہ ("یا نگار نعت") ۱۹۵۱ (ع) ص ۱۳۱-۱۵۲۔

ہوتا ہے کہ ان دونوں میں یہ دیباچہ "حدائق" سے نقل ہوا ہے۔ قلمی نسخے میں جو اختلاف ہو وہ ظاہر اس بنا پر ہے کہ غالب نے اپنی پُرانی تحریر میں کہیں حرکت و اصلاح کی ضرورت دیکھی اور کہیں اس نئی دہی کتاب کے مقصد پر نظر کر کے کوئی عبارت بدل دی یا حذف کر دی؛ کہیں کوئی لفظ بدلا اور کہیں لفظوں کے مقام کو اول بدل دیا۔ کتابت کی معمولی غلطیوں سے قطع نظر یہاں صرف اہم اختلافات کی تفصیل کی جاتی ہے:

ص ۶، س ۱۲-۱۳: "تو اس صورت میں ہم کیونکر"۔ (ع)؛ ہم اس صورت میں

یہ کیونکر؟ (م ۲): "تو ہم اس صورت میں کیونکر"۔ حدائق انظار: "ہم اس صورت میں کیونکر"۔

— "نعت و لغزب کے نظارگی بے باوہ مست" تینوں مطبوعہ نسخے: "نعت و لغزب

کی نظارگی سے بے باوہ مست"۔ "نظارگی" کے دو معنی ہیں: (۱) نظارہ کرنا۔ اس صورت

میں لفظ کے آخر مصدری "ی" ہے۔ (۲) نظارہ کرنے والا۔ یہاں "ی" قاعلی ہے اور

غالب کا مقصود یہی تھا، اس لیے کہ اگلی سطریں "اہل معنی" مقابلے کا لفظ ہے اور جملے

کی ترکیب یوں ہے: "... کے نظارگی بے باوہ مست ہو جاتے اور ... اہل معنی کی قلم صورت

پرست ہو جاتے۔" چھاپنے یا چھپوانے والوں نے لفظ کے پہلے معنی پر خیال کر کے

"کی نظارگی سے بے باوہ ... پڑھا اور "سے" کے اضافے کو ضروری جانا۔ سیاق

عبارت اور خوبی ترکیب کا لحاظ نہ کیا۔

ص ۷، س ۲: "سینکڑوں" بجائے سینکڑوں۔

— س ۲: "خردمدانی" کو (ع)؛ (م ۲) اور حدائق کی قرأت: "خردمند پر توجہ ہے۔

— س ۴: "بالطبع" کا زائد الف سہواً قلمزد ہوئے سے رہ گیا ہے۔

— س ۹: "گدھاں کبوتر"۔ وہ کبوتر جو ادھر ادھر اڑتا، گھومتا پھرتا ہے اور اپنی

کی آواز سننے ہی گھبروت آتا ہے۔ "سیٹھی" (صحیح: "سیٹی")

— س ۱۲: ”دعویٰ خدائی“ صحیح۔ مضاف ہونے کی صورت میں یا تو ”دعویٰ“

ہو سکتا ہو یا ”دعوائے“ (م ۲) میں ”دعویٰ خدائی“ ہی جو صحیح نہیں۔

ص ۸، س ۱: ”تو گویا“ دونوں میں ”گویا“۔ ”تو گویا“ بہتر ہے۔ (م ۲): ”گو“ غالباً ہو

۱۰

ہو کا تہہ ہے۔

— س ۲: ”ضادہ“۔ ”میں“ مطبوعہ نسخہ: ”افسانہ“

— س ۴: ”عز“ کے پہلے دونوں حرفوں پر، غالب کی اور تحریروں کی طرح یہاں

بھی نیتے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھو رسالہ ”ہندستانی“ اکہ آباد؛

جلد ۸، ص ۲۴۸-۲۵۰)

ص ۸، س ۵: ”محمد شاہی“ اس لیے کہا کہ میر تقی خیال محمد شاہ بادشاہ کے

عہد حکومت میں اپنے وطن احمد آباد گجرات سے دلی آئے تھے۔ پورا نام میر محمد تقی جعفری

محبیبی، خیال تخلص۔ دلی میں نواب محمد اسحاق خاں لکھنؤ اور ان کے بھائی نواب رشید خاں

سالار جنگ کی فرمائش پر داستانوں کا ایک مجموعہ ”بوستان خیال“ فارسی میں لکھا ہوا ۱۶

جلدوں میں تمام ہوا اور جس کا کچھ حصہ دلی میں کچھ مرشد آباد میں لکھا گیا تھا۔ اس تصنیف

لکھ اسحاق خان ٹٹن الدولہ شہسپای دلی جو ہر برسوں میں تھا۔ اس کے باپ نے شوہر (ایلان) سے

آکر ہندستان میں سکونت اختیار کر لی اور اسحاق خاں ہیں پیدا ہوا اعلیٰ اور فارسی ادب میں اچھی قابلیت

حاصل کی اور نظم و نثر میں ہمارے بلکہ تفوق رکھتا تھا۔ ہر بادشاہ کے عہد میں سزے اور ستارے ملے خاص کر

محمد شاہ کے عہد میں اس سے بڑا رسوخ۔ ہم پہنچا۔ ۱۱۵۳ھ میں انتقال کیا۔ میں بیٹے چھوٹے (۱۱) بیٹا محمد

وہ بھی بپ کی طرح قابل اور کارگردار تھا۔ بیڑا محمدی ہیں مصنفہ جنگ کے بیٹے شہل الدولہ (دودھ) سے شوہر کی

محمد شاہ کے دور میں۔ آخر میں اسحاق خاں نجم الدولہ خطاب ملے اور کتب خانہ قائم ہوا۔ احمد شاہ کے دور میں بھی یہ خدمت

بجال رہی اور شاہجہان آباد کی کردگری کی خدمت افشاں ہوئی۔ افسانہ جنگش سے جنگ ہوئی جس میں مصنفہ نے

شکست کھائی اور بیڑا محمد مصنفہ جنگ کے ساتھ تھا بڑی بہادری سے لڑا اور کام آیا۔ (۱۱۶۳ھ) موت الدولہ کے

دور اور بیٹے (۲) بیڑا علی افتخار الدولہ اور (۳) بیڑا محمد علی سالار جنگ۔ مصنفہ جنگ کی وفات (محرم ۱۱۶۸ھ)

یہ دونوں بھائی شجاع الدولہ کے پاس اندھ (یعنی آباد) چلے آئے۔ (خواجہ صاحب ص ۱۱۴۲، ۱۱۴۳)

کا زمانہ ۱۱۵۵ سے ۱۱۶۹ تک کا ہے۔ خیال نے ۱۱۷۳ء میں وفات پائی۔ ۱۱۵۵ء (مطابق ۱۸۴۰ء) میں عالم علی نے "بوستان خیال" کی ضخیم جلدوں میں سے کچھ قصوں کو انتخاب کر کے اردو میں ترجمہ کیا اور "زبدۃ الخیال" نام رکھا تھا۔ پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی کے کتابخانے سے ایک نسخہ مل گیا۔ موت کا دیا چہ یوں شروع ہوتا ہے:

"بعد حمد و نعت کے عاصی عالم علی موضع کرائی کا رہنے والا جو کہ نوح
عظیم آباد پرگنہ بیا سے متعلق ہے... عرض کرتا ہے کہ نسخہ بوستان خیال
تصنیف میر محمد تقی خیال ترابن فارسی میں سولہ جلد ہے۔ بھیت طوالت
کے صاحب شوق کا دل اکثر پریشان ہوتا ہے اور ادب داستان کی خوبیاں
بے دیکھے تمام کتاب کے ظاہر نہیں ہوتیں اس واسطے بندے نے سہ
۱۲۵۶ ہجری میں پنج مقام کلکتہ کے اوس کی کمائیوں کو بطور مختصر زبان
ریختہ اردو میں ترجمہ کر کے زبدۃ الخیال نام رکھا اور لمبا مختصار
حالات حلسم اور مقامات بزم و دوزم کو طول نہ دیا کہ شایقان انسانہ
و حکایت اندک توجہ میں اس کتاب کی خیال بندی اور قصص لطیف کے محفوظ
ہو دیں اور اس کم بقاعث کو دعاے خیر سے یاد کریں۔" (ص ۲۰۳)

مردق کے بعد ایک عبارت میں لکھا ہے کہ کتاب ۱۸۴۴ء میں چھاپا گیا تھا۔ یہ چھپنا
شروع ہونے کی تاریخ ہے۔ چنانچہ غاسے (ص ۴۱۰) میں اُس کے چھپنے کی تاریخ
۷ اگست ۱۸۴۶ء مطابق ۱۴ ذی قعدہ ۱۲۶۲ھ درج ہے۔ اس سے پہلے چھپنے
کہ دو برس میں کتاب چھپ کر تیار ہوئی تھی۔

یہی کتاب کے ترجمہ کرنے کا ارادہ خواہہ آمان دہلوی نے کیا اور کئی جلدیں ختم

بھی کر لیں۔ اُسی زمانے میں سید فرزند احمد صغیر بلگرامی نے بعض جلدوں کا ترجمہ کیا۔
 لکھنؤ میں مرزا حسن علی خاں عرف آغا جو نے کئی جلدیں ترجمہ کیں اور اُن کے بعد
 اُن کے بھائی مرزا محمد عسکری عرف چھوٹے آغا نے اُن کے کام کی تکمیل کی۔ ان
 میں سے زیادہ مشہور آمان کا ترجمہ ہے۔

— س ۶-۷: ”کاہر اوس نے بوستان خیال میں کچھ اور تماشا دکھلایا

گویا باغ ارم کو ہندستان میں ادھٹا لایا۔“ مگر تینوں مطبوعہ نسخے: ”کاہر... ادھٹا
 لایا اوس نے... کچھ اور ہی تماشا دکھلایا۔“

— س ۱۴: ”بتار کا خیال جو آیا ہے حدائقِ انظار اور (ع): ”بتار کا خیال خواہ“

(م ۲): ”بتار کا جو خیال آیا۔“

— س ۱۵: ”کہنی“ بجائے ”کہنی۔“

ص ۹، س ۱: پہلے میں لفظ غالب نے کئی بار قلم پھیر کر کاٹے ہیں۔ یہ ترک

کے لفظ ہیں مگر دستور یہ ہے کہ اگلے صفحے میں جو لفظ سب سے پہلے آئے کو ہر اُسے
 پہلے ورق کی اخیر سطر کے نیچے لکھ دیئے ہیں۔ یہاں کا تب نے تین لفظوں کی
 ترک قرار دی۔ یہ ناپسند ہوئی۔

— س ۳: ”کی فارسی کے“ اور نسخوں میں: ”کی فارسی نثر کے۔“

— س ۴: ”حکیم قسطاس“ غالب نے اعتقاد کی جہت سے لکھا ہے۔ پنا نام

”حکیم قسطاس الحکمت“ ہے۔ قسطاس یا قسطاس ترازو کو کہتے ہیں۔ ”بنی نبیہ انشا“

ایک حکیم عالی قدر والا عدد مان جمیع علوم بے قیاس حکیم قسطاس الحکمت نام ہے۔
 (صالحی اظہار ص ۲۳۳)

— س ۵: "منار" کاتب کا سہو ہے۔ صحیح "منار" ہی نہیں ضرر پہنچانے

والا، بدترشت "منکوس" = اُٹا؛ بچے جو ماں کے پیٹ سے اُٹا پیدا ہوا ہو۔
 "منار منکوس" اور "جمشید خود پرست" کی حقیقت یہ ہے کہ دمشق اور مصر
 کے حاکم کا ایک حبشی غلام تھا "کافور" نام جو حاکم کا بڑا مُعتمد تھا۔ کافور
 کے ہاں اس صورت کا ایک بچہ دو سیاہ پیدا ہوا کہ جس کی پیشانی ظُللانی سے آشکار
 شرارت و بے حیائی ... ظاہر و ہویدا تھے۔ کافور نے اُس بچے کا نام جمشید رکھا۔

(ریاض الابصار، ص ۶)۔ "نواب مصر میں ایک مرد مُلحد منار منکوس نام، حکمت ہشیہ
 طبیب مذہب، رہتا تھا یعنی وہ مردود صلتِ حقیقی کا قائل نہ تھا۔ البتہ علم نجوم و علم طب
 تیرنجات اور علم بحر و طلسم میں اُس کو فی الجملہ دستگاہ تھی اور روز و شب اُسی فکر
 میں مُبتلا رہتا تھا کہ کوئی بادشاہ ایسا صاحب طالع پیدا کرنا چاہیے کہ وہ محمود
 دنیا میں کوس صاحبِ بقرانی بجائے اور میں اُس کا مدار المہام ہوں اور اُس کو طریقہ
 خود پرستی تعلیم کروں تاکہ فرقہ اسلام کا ختم جان میں باقی نہ رہے۔ اس مقصد کو پورا
 کرنے کے لیے اُس نے جمشید بمنتخب کیا۔ (ریاض الابصار، ص ۸)

— س ۸-۹: عبارت آدائی ... پہلے یہ تحریر دیا ہے یہ بات اُن عبارتوں سے

واضح ہوتی ہے جو اوپر کے دو حاشیوں میں نقل ہوئی ہیں۔

— س ۱۲: "پیارا بھتیجا" کو قلز دیا ہے۔ اور تینوں نسخوں میں ہے: "بھتیجا اور پیارا

بھتیجا" ظاہر پہلے غالب نے "بھتیجا اور" کو حذف کر دیا تھا کاتب نے اُس کے
 مطابق دو لفظ کتابت کیے۔ نظر ثانی کے وقت وہ بھی بے ضرورت دکھائی دیے۔

— س ۱۵: "ہنگ لیا ... تھک گیا" اور تینوں نسخے: "ہنگ لایا ... تھک آگیا"

رقعہ [۱]

[(ع) ص ۸۹، (م) ص ۱۸۶، خطوط ص ۲۷۴]

اس رقعے کی پہلی سات سطریں بہت مدد و بدل کا نتیجہ ہیں۔

ص ۱۰، س ۶: ”برخوردار سچ کہیو“ کو لال روشناسی سے غلط ذکر کے حاشیے پر

”سچ کہنا“ لکھا ہے۔ شانِ خط غالب کے قلم کی سہی ہے۔ (ع) اور (م) میں بھی ”برخوردار“

نہیں، ”کیوں سچ کہیو“ ہے۔ شاید پہلے ”کیوں“ کی جگہ ”برخوردار“ کر دیا ہو۔ نثر ثانی پر اُسے

بھی کاٹ دیا اور ”کہیو“ پر ”کہنا“ کو ترجیح دی۔

— س ۷: ”واہ کیا شیوہ ہی اور پھر... گویا وہ“ (ع) اور (م): ”اے

کیا اچھا شیوہ ہی جب تک یوں نہ لکھو وہ۔“

— س ۱۰: ”موتوت کیا۔“ (ع) اور (م): ”اور وقت پر موتوت رکھا۔“ اس کے

بعد ”میر نصیر الدین“ تک کئی سطریں تھیں جو حذف کر دیں۔

ص ۱۱، س ۲: ”سسرک“ بجائے ”سسرک“

— س ۳: کاتب نے ”سستبر“ لکھا تھا۔ بعد کو اُس کے نیچے ”پ“ کے

نقطے لگائے گئے ہیں اور ”ت“ کے دو نقطوں پر ”ٹ“ کا (م) بنایا گیا ہے اور وہ اتنا

بڑا کہ اُس کے سامنے نے دونوں نقطوں کو دبا لیا ہے۔ یہ اصلاح غالب کے قلم کی

معلوم ہوتی ہے۔

رقعہ [۲]

[(م) ص ۵۷، خطوط ص ۲۵۳۔]

یہ رقعہ (ع) میں نہیں ہے۔ (م) میں ”تم تو... قصہ کیا ہے“ نہیں ہے اور رقعہ

شروع یوں ہوا ہے: "بھائی کیا پوچھتے ہو، کیا لکھوں، قاطع برلمان کے مسودے...." اور وہ اور ہی خط ہی جو یوں شروع ہوتا ہے: "بھائی، کیا پوچھتے ہو، کیا لکھوں۔ دلی کی ہستی..." (رقعہ [۵]؛ ج ۱، ص ۹۶؛ م ۱، ص ۱۸۲)۔

ص ۱۱، س ۱۰: "بالکل" میں جو زائد الف تھا قلمزد کر دیا ہے۔

—، ص ۱۱: "کر لیں ہیں۔ یہاں" نی کی جگہ "لیں" سہو قلم ہو جس پر شاید نظر نہیں پڑی۔ "ایک میرے واسطے ایک بھائی... کے واسطے" یہ پورا فقرہ سُرخ سے قلمزد کر دیا ہے مگر قلمزد ہونے سے پہلے ہی "بھائی" جو (م ۲) میں بھی نہیں ہے، بین السطور کالی روشنائی سے لکھا جا چکا تھا اور یہ لفظ غالب ہی کے ہاتھ کالکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

ص ۱۲، س ۶: "جاء" اصل اس نام کی "جُبعہ" ہے مگر ہندستان کے اُن پڑھ طبقوں میں اس کا تلفظ "جَآ" ہے اور یوں ہی لکھا بھی جاتا ہے۔

—، ص ۷: "کہنڑا" یعنی "گھڑا"

—، ص ۸: "وہ امر منی مصد ہی دیتا ہے اور اس خین کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔

یہاں "اس" کے الف کے نیچے لال روشنائی سے کسرِ ظاہر مقابلے کے وقت خود غالب نے لگایا ہے۔ لیکن صرف "اس خین کو" درست نہیں۔ م ۲ (ص ۵۸) میں اس خین کی جگہ صرف "اُس" ہے۔ غالباً (م ۲) کے مُصحح نے یہاں "خین" کو مُصلح پاکر حذف کر دیا اور "اس" کو "اُس" بنا کر اپنی دانست میں عبارت کو بامعنی کر دیا، پر جملہ بھر بھی ٹھیک نہ ہوا۔ ایک اور صورتِ تصحیح کی یہ ہو سکتی ہے کہ "اس خین کو" کے بعد ایک اور خین داخل کیا جائے: "اور اس خین کو [خین] حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔" مگر شاید اس سے بہتر ہو کہ "خین" اور "کو" کو مقدمِ مؤخر کر کے یوں پڑھے:

”اور اس کو ضیق حاصل پانصد رکعتے ہیں۔“ غالب کے ذہن میں ”اس [امریع] ضیق“ تھا؛ پڑھنے والے کے شعور پر بھروسہ کر کے ”اس ضیق“ پر قناعت کر لی۔

— س ۱۲: ”بن جانتا“ بجائے ”بن جاتا۔“

ص ۱۳، س ۲: ”نکلا... کہاں سے لایا۔“ (م ۲): ”نکالا... کہاں سے لایا۔“

ظاہر انظر ثانی کے وقت اصلاح کی ہے۔

— س ۴: ”زیادہ زیادہ۔“ (م ۲) میں یہ نہیں ہے، بلکہ یہاں دو شعاعی سطر

عبارت اور ہے، جسے خارج کر چکے ہیں۔

رقعہ [۳]

[رع (ص ۷۰، م) ص ۷۹، خطوط ص ۲۹۸]

اس رقعے کو سراسر قلمزد کیا ہے، اور ”نوشہ شد“ اور ”مقابلہ نمودہ شد“ پر

بھی قلم پھیر دیا ہے۔

ص ۱۴، س ۱: رقعے کے آخر میں تاریخ ”پنجشنبہ ۲۳ مئی“ ہے اور رع) میں

حذف ہو گئی ہے اور (م) میں بھی نہیں ہے۔

رقعہ [۴]

[رع (ص ۹۸، م) ص ۱۷۶، خطوط ص ۲۷۷]

ص ۱۴، س ۳-۷: ”اچھا... گرفتار نہیں“ یہ عبارت لال روشناسی سے

کاپی دی ہے۔ مقصود یہ تھا کہ رقعے کی ابتدا کی صورت یہ ہو: ”یہ صاحب“

تھوڑے بھاء ہی نے سمجھتے.....“

ص ۱۳، س ۲: ”ڈکھوسلا“ (رع): ”ڈکھوسلا“ (گردم) اور (م ۲):
 ”ڈکھوسلا“ اسے ”ڈکھوسلا“ بولنا اور لکھنا دلی کے بچے سے متعلق ہے۔ تفصیل اس
 کی مقدمہ ”خطوط“ (ص ۵۰-۵۱) میں دیکھی جائے۔

اُس زمانے میں ”گ“ پر دو مرکز بہت کم لگاتے تھے اور سیاق عبارت
 سے معلوم کر لیتے تھے کہ ”گ“ پڑھنا چاہیے یا ”گ“۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو
 ”گ“ کو دو مرکز لگانا بہت ضروری جانتے تھے۔ اس نسخے کا کاتب کہیں کہیں ”گ“
 کو بھی دو مرکز لگا جاتا ہے جیسے یہاں، اور ”دگیو“ اور ”آنگہیں“ (ص ۸)؛
 ”دگیاشی“ (ص ۱۵)؛ ”دگیہ جاؤ“ (ص ۱۶)؛ ”آنگہوں“ (ص ۲۸)۔ مقابلے کے
 وقت ادھر خیال نہ گیا اور اصلاح کی نوبت نہ آئی۔ اکثر ہوتا ہے کہ ہونہر غلطی ہو
 اور تصحیح کرنے والا غلط لکھے جوڑے کو صحیح پڑھتا ہوا گزر جاتا ہے۔

— س ۸: متن میں ”نعل در آتش“ کے اوپر ستارے کا نشان سرخ
 روشنائی سے بنایا ہے۔ پھر وہی نشان نچلے حاشیے میں بنا کر ”بیمقرار“ کے لفظ
 سے اُس کی تشریح کی ہے۔ یہ حاشیہ غالب ہی کے قلم سے ہے۔ اسی شان کا
 ایک حاشیہ اگلے صفحے پر آتا ہے۔

ص ۱۵، س ۲: ”جگنوں“۔ یہ لفظ (رع) میں بھی ایک ناٹھ ”ن“ کے ساتھ
 لکھا ہے۔ چونکہ غلط تھا، لال روشنائی سے دوبارہ قلم پھیر کر اُسے کاٹا ہے لیکن
 روشنائی بہت پھینکی ہے۔ غور کرنے پر وہ لکیریں دکھائی پڑتی ہیں۔

— س ۳: ”سیکڑوں“ بجائے ”سیکڑوں“۔

— س ۵: ”غلہ“ میں السطور اضافہ ہوا ہے اور کالی روشنائی سے غالب کے
 لہجہ کا لکھا معلوم ہوتا ہے۔ (رع، اور (م) میں بجائے ”غلہ“ کے ”تارج“ ہے۔

۔۔۔ ۹: متن میں ”رستاغیز“ پر اُس پیمکی روشنائی سے بتا رہا بنا کر
صفے کے نچلے حاشیے میں یہ ایک سطر لکھی ہوئی: ”اس لفظ میں سے ابجد کے حساب
سے ۱۲۷۸ کا عدد نکلتا ہو ۱۲۔“ شان غالب کے خط کی ہو۔

رقعہ [۵]

[(ع) ص ۹۲، (م) ص ۱۸۲، خطوط ص ۲۵۸-]
ص ۱۵، س ۱۱: ”پر تھی“ اور بھی صحیح ہو، لیکن (ع) اور (م): ”پر ہو۔“
ص ۱۶، س ۱۲-۱۵: ان سطروں کو ”مجموعہ العصر“ سے لے کر آخر تک سرخ
روشنائی سے قلمزد کر دیا اور ”چلے جاؤ“ کے اوپر ”فقط“ اور اُس کے سامنے اپنی
ہاتھ کی طرف، حاشیے میں ”تاریخ لکھی جائیگی ۱۲“ لکھ دیا۔ مزید وضاحت کی
غرض سے ایک اور نیرھا خط کھینچا ہو جس سے یہ بتانا مقصود ہو کہ ”فقط“ کے بعد
ساری عبارت خالص ہو جائے۔ صرف تاریخ یعنی ”صبح جمعہ ۶ جمادی الاول ۲ دسمبر
سال حال“ برقرار رہے گا۔ یہ رد و بدل بھی غالب ہی کے قلم سے ہوئی ہو۔

رقعہ [۶]

[(م) ص ۱۶۲، خطوط ص ۲۸۲]
یہ رقعہ صرف ایک ٹکڑا پر اُس ایک صفے بھرے خط کا جس کے آغاز کی
چند سطریں لے لی ہیں۔ بعد کو اُس میں سے بھی اخیر ڈیڑھ سطر نظری ہو گئی۔ آخر
میں جو تاریخ لکھی ہوئی تھی: ”مکمل کا دن ۲۳ جمادی الثانی ۱۶ دسمبر ہیردن
پڑھے“ وہ بھی رقعے میں شامل نہیں کی۔

ص ۱۷، س ۴: "عشرہ مبشرہ یعنی" (م) میں نہیں ہو اور ص ۵: "ابن

فضل اللہ خان" بھی (م) میں نہیں ہے۔

ص ۱۷، س ۸-۹: "جاڑا... بڑا گل اس موقوف۔" یہ عبارت روشنائی

سے قلندر ہوئی ہے۔ آخر میں یہ علامت (مم) بنی ہوئی ہے۔ قلم غالب ہی کا ہے۔

رقعہ [۷]

[رغ، ص ۹۱، (م) ص ۱۸۵، خطوط ص ۲۴۴]

ص ۱۷، س ۱۴: "مگر میں نے۔" (رغ) میں بھی اسی طرح ہے، لیکن

(م): "میں نے"

ص ۱۸، س ۱: "وہ پہ پہ ہے۔" یہاں لفظ "وہ پہ" کو لال روشنائی سے

قلندر کے اُس کے اوپر صحیح صورت "جہ" لکھ دی ہے۔ مگر پچھلی روشنائی نے

اس اصلاح کو بہت ہی دھندلا کر دیا ہے۔ یہاں یہ سوال اُٹھتا ہے کہ اُس کے آگے

"پہ" کا لفظ تھا، اُس میں یہی اصلاح کیوں نہ کی؟

جواب اس کا یہ ہے کہ عربی لفظ "وَجْہ" کو اگر "وہ پہ" لکھے تو صحیح نہیں

اس لیے کہ پہلی صورت میں ایک "ہ" ہی دوسری میں دو "ہ" ہیں یعنی اس مدنی

صورت میں "وَجْہ" پڑھیں گے یا "وَجْہ" (جیسے کرم اللہ وجْہہ) یا "وَجْہ"۔

اب اکثر لوگ نادانی سے "شَبْہ" کو "خَب" لکھنے لگے ہیں اور "جہ" کو "جہ" لکھ

فارسی میں بڑے لفظوں کے آخر میں "ہ" محفوظ ہوتی ہے جیسے "خَب" اور "جہ" اور "جہ" اور "جہ"

کے آخر میں "ہ" ہوتی ہے جیسے "ہستہ" اور "گذشتہ" وغیرہ یا کہ "جہ"۔ ان لفظوں

میں "ہ" اپنی اصلی آواز نہیں رکھتی بلکہ اُس کا کام اتنا ہی ہو کہ اپنے مائل کی حرکت کا اظہار کر دے۔ اُردو میں عربی "ہ" اور فارسی محفوظ اور مختفی "ہ" کے علاوہ ہندی کی مخلوط تلفظ "ہ" بھی ہو یعنی ایک حرف تین میں آوازیں دینے لگا کھینے والوں نے یہ تدبیر کی کہ مختفی "ہ" کو جوں کا توں رہنے دیا اور محفوظ کو یوں لکھنے لگے: "ہیرہ" ظلم کو دی نہ سہ سکے گا " اور ساتھ ہی ساتھ ہندی کی مخلوط "ہ" کو بھی اسی طرح لکھنے کا رواج ہو گیا: "کچہرہ، چہرہ، پرچہرہ، مگر چہرہ وغیرہ۔" تعلق اور حقیعاً خط کے دستور کے مطابق گہرے پیٹ والی "ہ" (یعنی ہر جسے کچھ پشی کہنا زیادہ بہتر ہوگا) ترکیب کے آخر میں آہی نہ سکتی اس لیے کاجوں کے نزدیک یہ "ڈہری" "ہہ" "ڈہری" نہ تھی بلکہ ایک ہی حرف تھی اور اخیر دہی کی پنا محض کسی کتابت پر تھی۔ خلاصہ یہ کہ کتابت کی یہ صورت کاجوں کے اضطراب کا ایک ناقابلِ اطمینان نتیجہ تھی اور دم خط کے مصلحت سے بالآخر ایک منقول حل اس شکل کا پایا کہ مخلوط "ہ" کے لیے دو چٹائی "ہ" لکھی جایا کرے۔ لیکن غائب کے زمانے میں، اور اُس کے بعد بھی، یہ اصطلاح عام طور پر رائج نہ ہوئی تھی۔ ہاں، مختاط لکھنے والے عربی اور فارسی لفظوں میں یہ مکڑ "ہہ" لائن سے پرہیز کرتے تھے۔ اور یہیں سے ہو کہ غائب نے یہاں "دجہرہ" کو کاٹ کر "دجہر" بنایا ہے۔ مگر یہ بھی بتا دینا ضروری ہو کہ اس احتیاط پر بھی اُن کے قلم سے کہیں کہیں "دجہرہ" یا اس قسم کا کوئی لفظ نکل گیا ہے (مثلاً "مخلوط" ص ۲۸۱ کے مقابل اُن کے قلم کی تحریر کے عکس کی پہلی سطر میں)۔ یہ جو اردو ارتقا کی ایک دوسری کتاب بنا رہے تھے، اس میں یہ نکتہ اُن کی نظر سے کیونکر بچ جاتا؟

- س ۶: ”دینا تاکہ“۔ یہاں ”تا“ اضافہ ہوا ہے۔ (ع) اور
(م): ”دینا کہ“۔
— س ۷: اس خط کے لکھے جانے کی تاریخ آخر میں درج ہے۔
(ع) اور (م) میں دلی تاریخ کچھ نہیں۔

رقعہ [۸]

- [(ع) ص ۹۶، (م) ص ۱۷۹، خطوط، ص ۲۸۰]
ص ۱۸، س ۹: یہ رقعہ اس خط کا ایک ٹکڑا ہے جو یوں شروع ہوتا
ہے: ”اے حضرت کیا غلط لکھا ہے۔ اس خرافات کے لکھنے کا فائدہ؟“ شروع کی
عبارت قریب ایک صفحے کے خارج کر دی ہے۔ ”خدا کا قہر ہے“ اس فقرے کو قلمزد کر دیا۔
— س ۱۰: ”کثرتی کی طرف“ یعنی ”کربے کی طرف“ چنانچہ (ع) اور
(م): ”کثرہ کی طرف۔“
— س ۱۵: ”خط لکھوں کہاں بیٹھ کر“ نظر ثانی کے وقت غفلتوں کی وجہ سے بدلی
ہے۔ دہنہ (ع) اور (م): ”خط کہاں بیٹھ کر لکھوں۔“
ص ۱۹، س ۲: ”حال کی فکر“ کاتب سے ”فکر“ کا لفظ رہ گیا تھا۔ غالب نے
اپنے قلم سے لکھا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالب ”فکر“ کو ٹوٹا بیٹے تھے۔
— س ۳: ”یا افسوس“۔ غالب نے زائد الاعت کو قلمزد کر دیا ہے۔
— س ۶-۷: ”دونوں“ ”قدرت“ اور ”کیا“ کو کاتب مکرر لکھ گیا تھا۔ پہلے
کو کالی، دوسرے کو لال روشنائی سے کاتا ہے۔
— س ۱۰: ”مجتہد العصر“ میر سرفراز حسین کے اس ”خطاب“ پر دوبارہ قلم چرایا

— س ۱۱-۱۳: "۱۱۱۱۱" سے لے کے "دعا کہنا" تک لالہ دوشملوی سے قلمزدہ۔

— س ۱۲-۱۳: میں سے "صبح جمعہ ۲ ستمبر ۱۸۹۶ء کو رہنے دیا۔ یہاں "ستمبر کی

"تفصیح" کی طرف شاید خیال نہ گیا۔

— س ۱۵: "رقعہ" قلمزدہ۔

[۹] رقعہ

[(دع) ص ۹۷، (م) ص ۱۷۷، تخطوط ص ۲۵۹]

یہ رقعہ سارے کا سارا قلمزدہ کر دیا ہے (ص ۲۰-۲۱)

ص ۲۰، س ۴: "جانا" کاتب کے قلم سے اضافہ ہوا ہے

— س ۵: "دو جرمی پی ٹی" (دع)، "دو جرمی پی" (م): "دو جرمی

پی لے"۔ مین دو جرمی پی ہے۔

— س ۶: "پنشن پنشن"۔ (دع) اور (م): "پنشن پنشن"۔ لیکن غالب

نے ہمیشہ اس لفظ کو "پنشن" ہی لکھا اور مذکور استعمال کیا ہے۔ عوامہ غلام غوث نے
نوٹ کا بھی، مگر معلوم ہوتا ہے غالب نے اُن کے اعتراض کو مانا نہیں۔

— س ۸: "گوردہ" کے بعد "بہادر" لکھنا کاتب بھول گیا ہوگا۔ مرزا صاحب نے

بین السطور اضافہ کر دیا۔

— س ۹-۱۰: "میرا نام فرد میں"۔ (دع) اور (م) میں یوں ہی ہے۔ اس

جموعے کے کاتب نے بھی اُسی طرح لکھا۔ مقابلے کے وقت اوپر بین السطور دبا

کے "لکھا گیا ہے جو یقیناً غالب کے قلم کا لکھا ہے۔

رقعہ [۱۰]

[یہ رقعہ (رع) اور (م) میں نہیں ہے، صرف اسی مجموعے میں پایا گیا اور یہیں سے "خطوط" میں نقل ہوا۔]

ص ۲۱، س ۶: "برخودارہ۔ یہ لفظ لال روشنائی سے کانٹا گیا ہے۔

— س ۱۲: کاتب لفظ "کے" کو رکھ گیا تھا۔ ایک اُن میں سے قلمزد کر دیا گیا۔

— س ۱۵: کاتب نے "اجنت" لکھا تھا۔ مرنخی سے اُسے انگریزی تلفظ کے

مطابق "ایجنٹ" بنایا ہے۔ "لارو" تھا؛ "و" پر (ط) مرنخی سے بنایا گیا ہے۔

ص ۲۲، س ۳-۵: "نظم: افق ... جہی" کو لال روشنائی سے قلمزد کیا ہے۔

رقعہ [۱۱]

[رع) ص ۹۱، (م) ص ۱۸۳، خطوط، ص ۲۶۷]

ص ۲۳، س ۹: "ہراک" کاتب نے "ہرایک" لکھا تھا۔ "ایک" کو پھیل کر

"اک" بنایا ہے۔ روشنائی کا نشان نہ رہا، لیکن "ی" کے شوشے اور نقطوں کا اثر باقی ہے۔ بعد اصلاح کے شریوں ہو گیا:

نہیں لیتا ہوں فرطِ رشک سے نام

ہراک سے پہچتا ہوں وہ کہاں ہے

— س ۱۰-۱۳: "ای میر صاحب تھیں شرم نہیں آتی ... تم ... کرتے ہو۔"

مجردج کی غزل کا مقطع تھا:

سنگو، یوں تو اک عالم ہے مجردج

میاں، یہ اہلِ دہلی کی زباں ہے

غالب نے دوسرے مصرعے پر طنزاً لکھا تھا: "ای میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی۔۔۔" ترمیم کرتا ہوں "لیے چونکہ استاد کو دوسرے مصرعے کا مضمون ناپسند ہوا تھا، مجروح نے بجائے اُس کے یہ مصرع لکھ دیا: "مرے استاد کی، پُر کیا زباں پر!" (دروانی مجروح، طبع لاہور، ص ۱۴۱)۔

— س ۱۲۔ کاتب نے "لکھنؤ کو" لکھنؤ لکھا ہے۔ اس پر نظر نہیں پڑی۔
 — س ۱۴-۱۵۔ "موجود ہیں" کے بعد کے نقشے بتاتے ہیں کہ یہاں سے کچھ حذف کیا گیا ہے۔ جو عبارت یہاں سے حذف ہو رہی ہو اُس میں شہر کی دیوانی کی شکایت ہے۔
 ص ۲۲، س ۲: "کپ۔ (رع اور م) کی طرح اس نسخے کے کاتب نے "کپ" لکھا تھا۔ غالب نے لالہ دھنداوی سے اصلاح کر کے اُسے "کپ" بنایا ہے۔ (رع اور م) : "دلی وادشاہ شہر نہیں ہو کپ ہے" چھاؤنی ہے۔ نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ نہر۔ رقعہ یہیں ختم ہو گیا۔ بعد کی دو ڈھاندی سطریں غالب نے پہلے ہی حذف کر دی تھیں۔

رقعہ [۱۲]

[دیکھو (رع) ص ۹، (م) ص ۱۸۵، خطوط، ص ۲۷۲]
 ص ۲۳، س ۳: عنوان بجائے "رقعہ" کے کاتب "قلعہ" لکھ گیا۔ یہ سہناہرا اس باعث سے ہوا کہ اس سے ادب و ادبی سطر میں "قد" کا لفظ سامنے تھا۔ بے نیالی میں وہی لکھ دیا۔ غالب کی نظر اس پر نہ پڑی اور تصحیح نہ ہوئی۔ یہ رقعہ بھی ایک طویل خط کا صرف ایک ٹکڑا ہے۔

لیے (رع) اور (م) میں اس طرح ہے۔ بے تکلفی کے لفظوں "تجھے" و "ظہر کو" غالب نے اس درجہ کتاب میں نامناسب جہاں کر دیل دیا ہے۔

- س ۵: "جمعہ... جولائی" صرف اسی نسخے میں ہے۔ (ع) اور (م) میں نہیں ہے۔ تقویم کے حساب سے جمعہ ۱۷ محرم ۱۲۷۸ھ مطابق ۲۶ جولائی ۱۸۶۱ء سے۔
- س ۶: "اوسوقت"۔ (ع) اور (م): "اوسوقت"
- س ۱۲: "شرساری ہے"۔ (ع) اور (م): "شرساری ہوئی"۔
- س ۱۲: "چھپاسٹھ"۔ کاتب نے چلتا مست "لکھا تھا۔ غالب نے مست"
- کو کٹ کر اس کے اوپر لال روشنائی سے "سٹھ" لکھا ہے۔ (ع): "چھاسٹھ"۔ (م): "چھاسٹھ اور یہی صحیح ہے۔"
- س ۱۵: "کوڑھتا ہے" رقعہ یہاں ختم ہو گیا۔ (ع) اور (م) میں اس کے بعد اس سے دونی عبارت اور ہے۔

رقعے ختم ہوئے

صفحہ ۲۴ پر لپٹے شروع ہوتے ہیں

نقل [لطیفہ ۱]

یہ لطیفہ "یادگار غالب" (ص ۶۹) میں مختصر طور پر لکھا گیا ہے۔ یہاں غالب نے اپنے مقابلے میں حضرت واعظ کو لا کر اسے زیادہ مزیدار بنا دیا ہے۔

لطیفہ [۲]

ص ۲۴، س ۱۰: "ترک سوار سے مراد ہے سواروں کی فوج کا سپاہی۔

نور اللغات میں جو تشریح اس اصطلاح کی ہے درست نہیں۔ "تنگے" (واحد: تنگ) جنوبی ہند میں فرانسیسیوں اور انگریزوں نے اپنے طور پر ہندوستانیوں کو فوجی تعلیم دے

سپاہیوں کے لیے ایک ہی وضع قطع کی وردی لازم قرار دی۔ یہ باقاعدہ ہندوستانی فوجیں ملک کے اور حصوں میں بھی مہم پر بھیجی جاتے لگیں۔ یہ سپاہی عموماً بنگالے (آنگلو دیس) کے رہنے پنے والے تھے۔ اس لیے اور جگہ، خاص کر شمالی ہند میں، باقاعدہ فوج کا سپاہی ”بنگالے“ کہلاتے تھے۔ اگرچہ سپاہی ”گورے“ اور ہندوستانی سپاہی ”بنگالے“ کہلاتے تھے۔ یہ جو ”باغی ٹرک سوار اور بنگالے“ دلی میں آئے اور پھر پورے ہندوستان میں پھیلے پھیلے ہوئے قبضہ کیا سب ہندوستانی تھے۔ ٹرک یا بنگالے والا ان میں ایک بھی نہ تھا۔ جنرل ہند کی فوج کی ملک بہت بعد میں پہنچی۔ میرٹھ میں ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو شروع ہوئی اور دوشنبہ ۱۱ مئی کو باغی فوج دلی آ پہنچی۔ اُس وقت سے ۱۳ ستمبر تک دلی میں انگریزوں کی حکومت نہ رہی۔ ۱۳ ستمبر کو انگریزوں نے دلی کو فتح کر لیا۔ اتفاق سے یہ بھی دوشنبہ کا دن تھا۔

یہ ”لطیفہ“ یا ”رمز“ غالب کے شاعرانہ تخیل کا نتیجہ ہے، جسے انھوں نے اپنی فارسی کتاب ”دستنبو“ (طبع آگرہ ۱۹۵۸ء، ص ۲۶) میں لکھا تھا۔ یہ اُسی کا اُندو ترجمہ ہے۔

نقل [لطیفہ ۳]

یہ حکایت حضرت غالب کی آپ بیتی ہے جو پہلے ”دستنبو“ (ص ۴۴) میں بیان ہوئی تھی۔ مگر وہ تخیل تھی، یہ منفصل۔ اسی دلی کتاب کے لیے شاید مناسب ہے کہ اس ساری حکایت پر قلم بھیر دیا ہو۔

ص ۲۵، س ۴: ”غدر“۔ ۱۸۵۷ء کی شورش کو عام طور پر غدر کہتے ہیں۔

۱۸۵۷-۵۸ء کا دور ”یادگار“ ص ۳۶-۳۷۔

۱۸۵۷ء کا دور ”دوشنبہ“ ص ۳۶-۳۷۔

یہ انگریزی لفظ "میوٹینی" کا ترجمہ ہے۔ "مد بکاری" (مد + ب + کار + ی) ہندستان کے اہل دفتر کی اصطلاح میں، کسی کے خلاف عدالتی کارروائی خاص کر فوجداری عدالت میں۔

— س ۵: "بٹی ماروں"۔ دہلی کا ایک محلہ، چاندنی چوک کے قریب۔

— س ۱۰: "سارجین" انگریزی لفظ "سارجنٹ" کی تہنید۔

— س ۱۲: "ڈل"۔ انگریزی لفظ "ڈل" خوب کا مراد۔

— س ۱۳: "ہیم"۔ سور کا گوشت۔ "ہوک"۔ انگریزی "ہواگ" ("خواب" کے

دہن پر) یعنی خوب کھل کر موٹا کیا ہوا سور جس کی ران کے گوشت کو "ہیم" کہتے ہیں۔

ہندستانی خاندانوں کی اصطلاح میں "ہیم چوک"۔ سور کا گوشت عموماً۔

"دھنبو" میں یہ لکھا "آدھا مسلمان" حالانکہ کسی مصلحت سے مرزا صاحب اڑا

گئے ہیں، چنانچہ مولانا حالی بھی اسے "مناہو" کہہ کر ہدایت کرتے ہیں۔ اس حقیقت

اب اس قلمی نسخے سے معلوم ہو رہی کہ یہ لفظ سارجنٹ سے جوڑی تھی۔ کوئل بروی کے

ساتھ مرزا صاحب اس کے بعد گئے اور صرف وہ باتیں ہوئیں جن کا آگے کی سطور

میں ذکر آیا ہے۔

ص ۲۶، س ۲ اور ۵: "بادلی" (بادشاہ کی تصنیف)۔ جھنڈی، جھنڈا۔

۱۸۵۷ء کے معرکے میں ہندستانی فوجوں نے پہلے ہی دن دلی کا رخ کیا اور

۱۱ مئی کو دہلی پہنچ کر سارے فوجی اہلکاروں پر حملہ کر دیا۔ چار مہینے کالی فوج کی حکومت رہی۔

۱۳ ستمبر کو انگریزوں نے شہر پر پھر قبضہ کر لیا۔ ہندوستانوں نے قلعہ معلیٰ کو اپنی کارگزاری

کا مرکز بنایا جو ایک محفوظ مقام تھا۔ انگریزوں نے شہر کے باہر محاصرے کا ڈنڈ ڈالا۔

شہر کے شمال مغرب کی جانب ایک پہاڑی سلسلہ جو اراولی پہاڑ کا آخری سرسبز اور
 بلندی اُس کی زیادہ نہیں چڑھتا۔ مقابلے کے لیے تجویز اور اچھا تجویز۔ جلدی نہیں کی۔
 طرف سے ملے جوتے رہے۔ جا بجاسے سرکاری ملک آتی رہی اور سورج ہنستے ہے
 تیاریاں ہر طرح کی ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ ۷ ستمبر کو اُسی پہاڑی پر جیسے انگریزی میں
 "برج" اور دلی کے لوگ "پہاڑی" کہتے تھے ہفت تو ہیں لگا ہی جا چکیں اور ۸ ستمبر کو
 "دشمن" پر خوب گولے برسائے گئے۔ مگر انگریز تاریخ نویس بھی ملتے ہیں کہ "دشمن
 کے گولہ ادا بھی خوب لڑے۔" ۲۱ کی صبح کو شاہی سلامی دی گئی۔ اور پھر نوا جو کچھ
 ہوا۔ اسی پہاڑی پر تقریباً ایک صدی انگریزی جھنڈا اڑتا رہا۔ اب اُسی کے ملنے
 دلی اپنی درستی کی عمارتیں بنی ہیں۔

— س ۷: "پانوں سے" دوسرے دن کی نوک اور نقطہ، دونوں چاقو سے
 پھیلے گئے ہیں اور اس کا نشان کاغذ پر دکھادی دیتا ہے۔ غالب کے صرف ایک
 پانوں میں پھوڑے کی تکلیف تھی۔ دونوں میں ہوتی تو "پانوں میں" کہتے۔ غالب کے
 نزدیک اس لفظ کے الفاظ میں غمت ہے نہ کہ دا، میں اور یہ اسے اُن کی صبح ہی
 (دیکھو مقدمہ "خطوط" صفحہ ۱)

پہلا باب ختم ہوا

یہاں سے دوسرا باب شروع ہوتا ہے جس میں غالب نے
 اپنے دیوان میں سے ۳۱ شعر چھانت کر نقل کیے ہیں۔

ص ۲۸، س ۶: "پلاوے ایک سے ساتی... الخ" دوسرے مصرعے کا پہلا

۱۵ سورتہ حالی بھی یہی ہے "پہاڑی" ہی کہلاتے ہیں۔ ("یادگار" ص ۲۷)۔

لفظ ”پیالہ“ تھا اور کاتب نے یہی لکھا تھا۔ بعد کو خیال آیا ہوگا کہ اگر اس جگہ ”گلاس“ ہو تو صاحب لوگوں کے لیے مانوس ہوگا اور انہیں لطف زیادہ آئے گا۔
”پیالہ“ پھیل کر ”گلاس“ کر دیا۔

— س اخیر: ”پھور“۔ لفظ ”پھور“ ہو۔ مرزا صاحب کی نظر نہ پڑی اور اور تصحیح نہ ہوئی۔

ص ۲۹، س ۱: ”اک زمانہ“ یہی شعر ص ۳۰ کی اخیر مصرع میں پھر آیا ہو۔
دونوں جگہ الف سے لکھا ہو۔ (دیکھو ”خطوط“ کا مقدمہ، صفحہ آئی، ص ۱۳)۔

— س ۱۱: ”خط ایک اور“۔ دروان کے نسخوں میں بھلا لفظ ”اک“ ہو چکا
تقلیع دونوں طرح ہو جاتی ہو، ہو سکتا ہو کہ غالب نے ”ایک“ نہ چنے دیا ہو۔ یہ بھی
ممکن ہو کہ اُن کی نظر اس لفظ پر پڑی ہی نہ ہو۔

— س ۱۵: ”مچہ“۔ کاتب ہواً ایک کی جگہ تین نقطے لگا گیا ہو۔

انشائے اردو سے مقابلہ

(۱)

جناب بابو صاحب جمیل الناقب عمیر الاحسان سلامت
نیاز مہر کیشانہ ودعاے درویشانہ قبول فرمائیں ایک دن پہلے
تفقدہ نامہ اور دوسرے دن سنہٴ اجماد ہنگامہ پہنچا نظر اس تقدیم
وتاخیر پر مضط کو پھول اور کتاب کو پھیل سمجھا پھول سے نشاط تازہ
اور پھیل سے کثرت ہے اندازہ پائی جام بخم جہاں نما ہوگا مگر کیا
جانے کیا ہوگا بلکہ اسی میں تردد ہو کہ ہوگا یا ہوگا جام جہاں نما

ص ۱۱

یہ کتاب ہے جس سے ہر دیدہ و نہاد باب ہاں تو میں مدح
 میں قاصر رہا یہ میں نے کیا کہا جس طرح دیدہ و نہاد کو خطا
 سکتا ہے بابتا بھی مشکوک طبع پاسکتا ہے فیض اس کتاب کا عام
 ہے جام جہاں نما اس کا سچا نام ہے اسٹنٹ کسٹمر صاحب
 بہادر کی خدمت گزاری اور اشاعت علم میں مددگاری ذریعہ عز و افتخار
 ہو مگر فقیر میں تین عیب ہیں شہر زب کی عمر کانوں سے پہرا ہمیشہ جاری
 ہو آمد و رفت و قدام میں قاصر اور جو تحریر وہاں سے آیا کر گئی
 اسکی مشورت میں حاضر ہو گیا یہ نہیں کہ سجاد نگا آنکھوں سے
 جاؤنگا مگر حسب الطلب یا حسب ضرورت کار گزار و فرمانبردار
 رہونگا بہر صورت تعجب ہے کہ صاحب اسٹنٹ بہادر نے
 مجھے یاد کیوں نہ کیا بلکہ کیوں نہ یا یقین ہے کہ جب آپ یہ خط
 اپنے نام کا حضرت کی خدمت میں بھجوا دیئے تو وہ مجھے بے
 شکست بلائیے فقط

غایت کا طالب غالب

[یہ خط "انشائے اردو" تالیف مولوی ضیاء الدین خان پروفیسر عربی، دہلی کالج،
 طبع ۱۸۶۶ ع، ص ۷۰/۷۱ پر درج ہے۔ کسی اور مجموعے میں اب تک نہیں دیکھا گیا۔
 "بابو صاحب" کون ہیں؟ "سنہ اعجاز ہنگامہ" کیا کتاب ہے اور کس کی تالیف؟
 اس نقل میں اصل رسم خط کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ع ص [(۲)
 ص ۷۱/۷۲ ہمارے قلم نسخے کا پہلا ورقہ (ص ۱۰/۱۱) ہے۔ صرف رسم خط ضیاء
 نے اپنی کتاب کے مطابق کر لیا ہے۔

(۳) ص ۴۳/۴۵، ہمارے نسخے کا دوسرا رقعہ (ص ۱۱/۱۲) ہے۔ رسم خط کی اصلاح کر لی ہے۔ مگر "نواب صاحب نے کر لیں ہیں" (بعینہ)۔ یہ فقرہ خارج ہو گیا: "ایک میرے واسطے ایک بھائی ضیاء الدین خاں کے واسطے"۔ اسی طرح لفظ "مگر" خارج ہو کر یوں: "یہ یاد رہے...." آخر میں "زیادہ زیادہ فقط"۔ یہ فقط ہمارے نسخے میں نہیں۔ اس کے بعد کا رقعہ جو ہمارے نسخے ص ۱۲/۱۳ میں قلمزد ہو چکا تھا ضیاء نے نہیں لیا۔ پھر ص ۱۴ میں جو الفاظ و عبارات قلمزد ہیں انہیں بھی چھوڑ دیا ہے اور ص ۱۴ س ۲ سے جو رقعہ شروع ہوا ہے اُس کی صورت یہ ہے: "سید صاحب تمہارے بھائی نے سنت مشوش بلکہ نعل در آتش کر رکھا ہے۔۔۔ الی آخرہ

ص ۱۵ س ۹: سال رستاخیز ۱۲۷۸

— س اخیر: "۱۵ دسمبر"۔ ضیا: "۱۵ ستمبر" جو صحیح نہیں ہو سکتا اس لیے کہ عود عظمیٰ کے آخر میں تاریخ "صبح جمعہ ۶ جمادی الاول ۲ دسمبر سال" لکھی ہے (دونوں نسخوں میں)

ص ۱۶ س ۵: "مزبور و مطرود محروم و منوم" کی جگہ مردود و مطرود و محروم و منوم" جو دخل بیجا ہے۔ (ہمارے نسخے کے کاتب نے "و" لکھا تھا جو پھیل دیا گیا ہے)

— ص ۱۶-۱۴۔ قلمزد عبارت حذف کر دی ہے اور لفظ "فقط" اور حاشیہ تاریخ لکھ، جاریگی "کو چھوڑ دیا ہے

ص ۱۷، س ۷-۸۔ انا شد وانا الیہ راجعون کے بند کی عبارت (جو قلمزدی) حذف کر دی گئی ہے۔

* بقرار - [ع]

یہ اس لفظ میں سے تاریخی صاحب [ص ۱۲۷۸] کا عدد دکھاتا ہے ۱۲

تاریخ ۱۰۱۵

حواشی

از

مالک رام

[مراجع و منققات]

- انشاء اردو حصہ دوم (۱۰۰ صفحہ) مرتبہ مولوی ضیاء الدین خان (طبع فیض احمدی، دلی ۱۸۹۹ء)
 خطوط غالب، طبع اول (۱۰۰ خطوط) مرتبہ پیش پشاور عبدالستار صدیقی (الکابو ۱۹۳۱ء)
 خطوط غالب، طبع دوم (۱۰۰ خطوط) (۲) ایضاً و مالک نام (سرگزار کوی پری، لکھنؤ ۱۹۶۲ء)
 اردو سے مملی (۱۰۰ م) از غالب (شیخ مبارک علی، لاہور ۱۹۶۲ء)
 کلیات نثر غالب (۱۰۰ نثر) از غالب (نوٹک شور، کراچی ۱۸۷۵ء)
 دیوان غالب اردو (۱۰۰ دیوان) مرتبہ مالک نام (صدی ایڈیشن، دلی ۱۹۶۹ء)
 یادگار غالب (۱۰۰ یادگار) از حالی (مکتبہ حیات، نئی دلی ۱۹۷۱ء)
 نوکر غالب (۱۰۰ نوکر) از مالک نام (طبع ہمام، نئی دلی ۱۹۷۳ء) [

سفر ہما سٹوری

۱ ۱ یہ دیباچہ غالب نے خالص اسی مجموعے کے لیے تالیف کیا تھا اور ان کی کسی اور کتاب میں شامل نہیں ہوا۔

۲ ۲ مکھوڈ صاحب: سر ڈیوڈ فریگل میکھوڈ، لغت جرنیل ڈکن میکھوڈ، ۸ جون ۱۸۵۵ء کے بیچے ۶ مئی ۱۸۱۰ء کو کلکتے میں پیدا ہوئے۔ تعلیم انگلستان میں پائی۔ ۱۸۲۸ء کے آخر میں واپس ہندوستان گئے۔ پہلے بنگال اور بعد کو وسط ہند میں تعینات رہے۔

ص ص ۱۸۳۹ میں پنجاب کے الحاق پر وہاں تقرری ہو گئی۔ محکمہ عہدوں سے ہوتے ہوئے بالآخر ۱۸۹۵ء میں پنجاب کے لفٹنٹ گورنر بنادے گئے۔ ۱۸۹۰ء میں ملازمہ سے بکدوش ہونے پر انگلستان چلے گئے، جہاں دو سال بعد ایک ریل کے حادثے میں ۲۸ نومبر ۱۸۹۲ء کو لندن میں انتقال ہو گیا کنسل جرنل کے قبرستان میں مدفون ہیں، اس سے معلوم ہو گا کہ وہ اس زمانے میں خائستل کشر نہیں تھے۔ یہ گتھی کیونکر سلجھ سکتی ہے؟

۵ ۲ نصر الد بیگ خاں۔ غالب کے چچا۔ ان کا ۱۸۰۹ء میں انتقال ہوا۔ دراصل انھیں کی خدمات تھیں جن کے جلد میں غالب کو پنشن اور خلعت وغیرہ ملا (ان کے حالات کے لیے دیکھیے، ذکر (جلد چہارم) ص ۲۸-۳۰)

۱۰ لارڈ الن براہمارہ۔ ہندوستان کے گورنر جنرل ۱۸۳۲ تا ۱۸۳۴ء۔ غالب کے مہربان اور سرپرست! انھیں ہفت پارچہ خلعت اور تین رقم جواہر کا اعزاز لارڈ الن براہمارہ کے عہد میں ملا تھا۔

۱۳ کوئٹس پونٹ (Queen's Pool) ملکہ مغلیہ کا خاعر۔ ملک الشعراء۔

۳-۱ ۳ یہ تین شعر کا قطعہ بھی غالب نے اسی مجموعے کے لیے کہا ہے اور ان کے گھس اور مجموعہ کلام میں نہیں چھپا تھا۔

۴ پہلا دیباچہ۔ یہ نثری تقریر اندوے معلیٰ میں شامل ہے، جہاں اس کا عنوان ہے: تقریظہ کہ بر کتاب گلزار سرور من تصنیف میرزا رجب علی بیگ صاحب سرور ننگا سشتہ اند۔

۹ رجب علی بیگ سرور = ولادت تقریباً ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۵-۱۷۸۶ء) شاگرد آغا نواز حسین خاں عت مرزا غانی، نولادش۔ لیکن شاعر کی حیثیت سے ان کا کوئی

مقام نہیں، ان کی اہمیت ان کی نثری تصانیف کے باعث ہے۔ ان کی کتاب "فسانہ عجائب" اردو کے کلاسیکی ادب میں خاص پایے اور شہرت کی مالک ہے اس کے علاوہ ان کی تصانیف میں سرور سلطان (ترجمہ شمشیر غانی) شگوفہ محبت، شبستان سرور (الف لیلہ)، فسانہ عبرت، گلزار سرور (ترجمہ حدائق العشاق)، خضر عشق، انخالے سرور (مکاتیب) ہیں۔ ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) میں انتقال ہوا۔

۱۰۔ حدائق العشاق۔ یہ کتاب ملا رضى خلعت محمد شفیع کی فارسی تصنیف ہے جس میں تمثیلی انداز میں انسانی جذبات کا ذکر ہے جنہیں افسانے کے کردار کی شکل دے دی گئی ہے۔ گلزار سرور اسی کا ترجمہ ہے۔

۱۳ ۲ م۔ کیسا (کیا صحیح ہے) میں کتابت کی غلطی ہے۔

۱۵ ۲ یہ دونوں شعرا اس قطعے کے ہیں، جو اردو دیوان غالب میں بعنوان "گواہی مصنف" بھنور شاہ شامل ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دیوان میں دونوں شعروں کے نمبر ۱ ۳

ثانی میں "ایک کی جگہ" میری جگہ ملتا ہے یعنی یہ زبان میری پہنچ جو ہر دار اور ہے قلم میری لہو گو ہر بار یہاں میرزا نے جب ضرورت قلم کر لیا ہے۔

۱ م: بزم کے احترام (بھوکا بت) کا صحیح ہے۔

م: مجھ کو (انٹہای غالب میں سب جگہ "مجھ کو" تصنیف (بے ہودہ) ملتا ہے۔ اور دوسری جگہ بالعموم "مجھ کو"۔

۲ فسانہ عجائب۔ اردو کے افسانوی ادب کی مشہور کتاب ہے؛ ۱۲۴۰ھ میں مکمل ہوئی تھی۔ یہ پہلی مرتبہ ۱۲۵۹ھ میں مطبع حسن، لکھنؤ میں چھپی۔

۲ م: مثلاً، یہ وہ تحریر ہے۔

۶ م: کھینچ کر (یہی درست ہے)

۸۔۷ مہاراجہ ایسری پر ساد ناراین سنگھ: بنارس کے قریب ایک گاؤں اتریہ کے رہنے والے قدیم برہمن خاندان کے نام لیا تھے۔ اس خاندان میں سب سے پہلے جن صاحب کو فہرست حاصل، ان کا نام منارام تھا۔ وہ نواب وزیر اودھ کے عامل بنارس کے صاحب رسوخ مصاحبوں میں تھے۔ اسی لیے انھیں مائے جوہر لاکھ سالانہ آمدنی کی جاگیر عطا ہوئی۔ ۱۷۴۳ء میں ان کی وفات پر ان کا بیٹا بلونت سنگھ وارث ہوا۔ اس نے بہادر شاہ دلی (محمد شاہ) سے تعلقات قائم کر لیے جس پر محمد شاہ نے خوش ہو کر اسے راجا بہادر کا خطاب اور جوہر بنارس اور چنار کے علاقے جاگیر میں عطا کیے۔ جب ۱۷۶۴ء میں بھکسکی لڑائی ہوئی ہے، تو شاہ عالم اور شجاع الدولہ کے اہلکار پر بلونت سنگھ ان کے ساتھ تو رہا، لیکن اس نے انھیں فوجی امداد نہیں دی۔ انگریزوں نے فتیابی کے بعد اس کے دیے پر اپنی خوشنودی کے اظہار میں اس کا علاقہ مستقل کر دیا۔

بلونت سنگھ کا ۱۷۷۰ء میں انتقال ہو گیا۔ مشہور راجا جیت سنگھ جے انگریزوں نے معزول کر دیا تھا اور اس کا نام دارن ہیسٹنگز گورنر جنرل کے مقدمہ میں بھی لایا ہے، بلونت سنگھ ہی کا وارث تھا۔ جیت سنگھ کی معزولی کے بعد بنارس کی گوری بلونت سنگھ کے نوٹسے ہیپ نرائن سنگھ کو ملی اور اس کے بعد اودھت نرائن سنگھ مکران بنے۔ ایسری پرشاد ناراین سنگھ انھیں اودھت نرائن سنگھ کے بھائی تھے اور وارث تھے ۱۸۲۵ء میں گوری پڑھ گئے۔ ان کا دور حکومت اپنی کارگزاریوں کے بہت خانداندار رہا۔ وہ انگریزوں سے نااہل تھے۔ مغربی تہذیب و تمدن سے متعلق بھی ان کی واقفیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس کے بعد اودھتوں نے اپنی ریاست کا انتظام اس عہدگی سے کیا کہ ان کے تمام ہمسفر مورخ۔ انگریزوں پر ہتھیاری

ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ وہ اپنی رعایا میں بھی بہت ہر دلفریز تھے اور دوسری ویسی ریاستوں کے حکمران بھی انھیں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں انگریزوں کی مدد کرنے کے باعث یا اس کے بعد لارڈ کیننگ ہاؤس نے انھیں "ہمارا جابجا" خطاب اور جی سی ایس آئی کا اعزاز عطا فرمایا۔ وہ علم و ادب اور فنون لطیفہ کے بہت بڑے سرپرست تھے۔ ۵۴ برس کے طویل اور قابل تعریف دور حکومت کے بعد ۱۳ جوی ۱۸۸۹ء کو انتقال کیا۔

- ۹ م: طرہ ہے (”ہے“ ناید ہے اور غیر ضروری)
 ۸ د: بیابچہ دوسرا یہ بھی اردو سے معلیٰ میں شامل ہے اور اس کا عنوان ہے
 ”دیباچہ کہ بر کتاب خواجہ بدالدین خاں عرف خواجہ امان موم بے صافی“
 انتظارِ محاشہ اند

- ۱۲ م: تو ہم اس صورت میں کیہ کرکیں
 ۱۳ م: بہت دلفریب کی نفاذگی سے (سہو کتابت) صحیح: بہت دلفریب کے نفاذگی
 ۶ ۲ م: پہلے طالع ہوا (سہو کتابت)
 ۳ م: کسی نے نہ دیکھا نہ سنا (سہو کتابت)
 م: خردمند (سہو کتابت)
 ۸ م: قال سے پہلے ”تو“ غائب (سہو کتابت)
 ۱ د: م: تو ”گویا“ کی جگہ ”مرن“ ”گو“ (سہو کتابت)
 م: چہرہ (صحیح چہرہ)
 ۲ م: موعظت پند (بدون عاطفہ غلط)

- ۲ م: افسانہ
- ۳ م: سچا یہ ہے (تو کے بغیر غلط)
- م: عرو
- ۵ م: متحقی الدولہ (پہوکتا بت)
- م: گویا بلبل ارم کو ہندوستان اٹھا لایا، اس نے ہندوستان خیال میں کچھ اور ہی تماشہ دکھلایا (یہاں عبارت سہو مقدم، منور ہو گئی ہے) م میں 'ہی' بھی لائن ہے۔
- ۸ م: ظلم اور مس
- ۱۰ م: عرو
- ۱۲ خواجہ بدالدین خاں عرف خواجہ امان دہلوی ان کا نام ہندوستان خیال کے ترجمہ کی حیثیت سے مشہور ہے۔ ۱۲۹۶ء (۱۸۷۹ء) میں وفات پائی۔ قدر بگڑی کی کہی ہوئی تانتا ہے: آہ بدر آیا خوب گد میں
- ۱۳ م: نیر ہوش ہے
- ۱۴ م: ستار کا جو خیال آیا ایسا بھایا کہ ...
- ۱۵ م: جو طبیعت آئی وہ تصویر کھینچی
- ۸ ۳۰ م: میرٹ افزائیاں
- ۱۲ م: شکنا۔ بھیتجا اور پیارا بھیتجا۔ ناچار۔
- ۱۳ م: کچھ دہن آئی اس ویجاچے (انجام کا پتہ اس کے اور کوئی ٹنگ نظر نہ آیا کہ عالم اصلاح ...
- ۱۵ م: شہر و شاعری شمار (پہوکتا بت)
- صلی نسخے میں، کو، کا لفظ غالب کے قلم سے ہے

م: لکھے دیتا ہوں

۱ ۹ م: تنگ آگیا ہوں (سہو کتابت)

م: میں دیباچے کے غلطے پر نایب: ومن اشد التوفیق وصور غیر رفیق

۲ اردو (۲): میں یہ خط ص۔ ۷۱-۷۲ پر ممد ہے۔ وہاں اس سے پہلے غالب کا ایک

اور خط بھی ہے جو انشاء غالب میں شامل نہیں ہے یہ مقدمہ میں نقل کیا گیا ہے۔

خطوط (۱) میں یہ خط ص ۲۷۴-۲۷۵ پر ہے اور

خطوط (۲) میں ص ۳۲۶-۳۲۷ پر۔

۳ خطوط (۱) (۲) میں "تم کیا چاہتے ہو؟" کے بعد یہ عبارت نایب ہے:

مجتہد العصر کے مسودے کو اصلاح دے کر بھیج دیا۔ اب اور کیا لکھوں...

۵ خطوط (۱) (۲) "موجودہ لکھوں" [تھمرا داغ چل گیا ہے! غلے کو کر دیا کرو!]

مسودے کو کاغذ کو بار بار دیکھا کرو! پاؤں کے کیا؟ یعنی] تم کو وہ محمد شاہی...

۵ خطوط (۱) (۲) "کہ" موجود نہیں

۶ اردو (۲): "برخوردار" موجود نہیں، پرچہ کہنا

خطوط (۱) (۲): عافیت مطلوب ہے۔ [خط تھمرا بہت دن کے بعد پہنچا، یہی غور

ہوا۔ مسودہ ابتدا اصلاح کے بھیجا جاتا ہے۔ برخوردار میر سرفراز حسین کو دینا اور

دعا کہنا؛ اور وہاں حکیم میر اسحق علی اور میر الفضل علی کو بھی دعا کہنا۔ لفظ

سدا تندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو۔ یہ کیوں؟] سچ کہو...

۷ تحریر (۱) یہی طرز تھی۔ اصل مسودے میں لفظ "کی" بنخط غالب ہے؛ اور یہ

سے اوپر لکھا ہے۔ ظاہر کا تب اسے لکھنا بھول گیا تھا۔

خطوط (۱) (۲) یا اور؟ ہاں، کیا اچھا فیوض ہے! جب تک یوں نہ لکھو

وہ خط ہی نہیں ہے۔

- ۱۰ خطوط (۱)؛ (۲) : نوائے کو اور وقت پر موقوف رکھا ؛ اور اگر تیسری نشاندہی اسی طرح کی نگارش پر منحصر ہے، تو بھائی سائے تین سطریں دیسی بھی میں نے لکھ دیں۔ کیا نماز قضا نہیں پڑھتے ، اور وہ مقبول نہیں ہوتی ؟ خیر، ہم نے بھی وہ عبارت ، جو مسودے کے ساتھ لکھی تھی ، اب لکھ بھیجی۔ قصور معاف کرو، خفا نہ ہو [میر نصیر الدین ...]

۱۳ اردو (۲) : دھپے

۱۰ ستمبر یہ اصلح غالباً مولوی ضیاء الدین خان کی ہے ؛ غالب نے تجربہ لکھا ہوگا۔

۵ یہ خط اردو (۲) ص ۷۲-۷۵ ؛ خطوط (۱) ص ۲۵۲-۲۵۴ اور خطوط (۲) ص ۲۰۵-۲۰۶ پر موجود ہے۔

- ۴ اردو سے عملی میں یہ خط اس طرح شروع ہوتا ہے : بھائی ، کیا پوچھتے ہو ؟ کیا لکھوں ؟ قاطع برہان کے ستوے اس خط کے شروع کی سطر : ”تم تو...“ پھر کیا قصہ ہے ، ”صرف اسی جگہ ملتی ہیں اور ہمیں سے لے کر خطوط میں شامل کی گئی ہیں۔“

۱۱-۱۲ ایک سیرت ... کے واسطے۔ یہ جلد اردو (۲) میں حذف کر دیا گیا ہے۔

۱۲ ”بھائی“ اصل مسودے میں غالب کے قلم سے ہے ؛ اور لفظ ایک کے اوپر اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۳ ”تم کو“۔ ”خطوط“ میں (غالباً سہواً) چھپنے سے رہ گیا ہے۔

۱۴ اردو (۲) میں ”مگر“ حذف ہو گیا ہے

۱۵ خطوط : اس کو حاصل بالمصدر (شعین ساقط)

۱۶ ”فرہادی“ کے آخر میں ”سی“ اصل مسودے میں غالب نے اپنے ہاتھ سے اضافہ کی ہے ؛

کاتب نے صرف ”فرا“ لکھا تھا۔

۳ خطوط میں یہ خط زیادہ زیادہ پر ختم نہیں ہوتا، بلکہ اس کے بعد مزید یہ سطر یا بھی ملتی ہیں: پہلے حکیم میر اسرار علی کو دعا اور بیٹا پیدا ہونے کی مبارکباد۔ میاں، میں نے رات کو اپنے عالم سرخشی میں تاریخی نام کا خیال کیا۔ ”میر کا نظم دین“ کے بارہ سو پچھتر جوتے ہیں۔ لیکن یہ اسم بھی مانند لفظ نہایتش محکمال سے باہر ہے۔

چونکہ یہ عبارت انشائی غالب میں نہیں تھی، اس لیے مولوی ضیاء الدین خان کی ترجمہ (نشاۃ اردو (۲) سے بھی غائب ہے، جو اسی پر مبنی ہے۔ البتہ انھوں نے ”زیادہ“ زیادہ کے بعد لفظ ”نقطہ“ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے۔

۵ اردو (۲) میں یہ رقم نہیں پھیلے۔ خطوط میں متن جوں کا توں ہے، ”م“ سے اختلاف کے لیے دیکھیے حواشی خطوط

۲ | ۳ یہ خط اردو (۲) : ۷۶-۷۷؛ خطوط (۱) ۷۷؛ خطوط (۲) : ۳۲۸-۳۲۹ پر ملتا ہے۔

۳ سید صاحب کے بعد ”اچھا ڈگھوسلا نکالا ہے...“ گزرتا نہیں ہے۔ پوری عبارت اردو (۲) میں حذف کردی گئی ہے۔

م، ڈگھوسلا؛ خطوط : ڈگھوسلا۔

۶ خطوط : سادات کا متفقہ ہوں۔ (یعنی ”ہوں“ زاید ملتا ہے)

۸ اردو (۲) میں ”سید صاحب“ کے بعد خط یہاں سے شروع ہوتا ہے۔

مسودے میں ”فضل در آتش“ پر شاہ کے کا نشان دے کر نیچے ملیے میں اس کے

معنی ”بہ قرار“ دیے ہیں۔ یہی شکل اردو (۲) میں بھی ہے۔ بنگان غالب

مسودے میں یہ اضافہ مولوی ضیاء الدین خاں کا علمی ہے۔

۹ خطوط : بعد موم کے

- ۱۲ خطوط : نو پہلے تو مجملہ سنو
- ۱۵ خطوط : آج اکیسواں دن ہے
- ۱۳ ۲ اردو (۲) : خطوط : جگنو
- ۱۵ سوسے میں لفظ "غلہ" غالب کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے : خطوط : میں اس کی جگہ "اناج" ہے
- ۹ لفظ "رستاقیز" پر ستارے کا نشان بنا کر حاشیہ لکھا ہے : اس لفظ سے ابجد کے حساب سے ۱۲۷۸ کا عدد نکلا ہے۔ یہ غالب امرتسری ضیاء الدین خان کا لکھا ہوا ہے۔ اردو (۲) : تاریخی حساب (پہلے ابجد کے حساب)۔ بنگال غالب خط کے آخر میں (رستاقیز کے بعد) ۱۲۷۸ ابجدی مولوی ضیاء الدین خان ہی نے اضافہ کر لیا ہے۔
- ۱۰ یہ رقم اردو (۲) : ۷۶-۷۷ : خطوط (۱) : ۲۵۸-۲۵۹ : خطوط (۲) : ۳۱۰-۳۱۱ پر ملتا ہے۔
- ۱۰ اردو (۲) : ۱۵ پیٹمبر (دسمبر صحیح ہوگا)
- ۱۵ ۲ اردو (۲) : دوجا
- ۳ خطوط : چار معدوم محض ہیں، جو باقی سب (صحیح متن وہی ہے جو آغا غالب میں ہے یعنی "چار معدوم محض" تین جو باقی سب "یہی اردو (۲) میں ہے
- ۵ اردو (۲) : دونو کو
- ۸ اردو (۲) : مطرود و محروم
- سطر کا آخری لفظ "نظم" سوسے میں غالب کے قلم سے ہے۔ یہ اردو (۲) اور خطوط میں نہیں ملتا۔
- ۱۱ اردو (۲) و خطوط : چڑھنا

۱۳-۱۲ مجتہد العصر... مرآت مک (قلزہ عبارت) اردو (۲) میں نہیں چھپی ہے۔ بلکہ چلے جائے (س ۱۲) کے بعد لفظ "فقط" کا اضافہ کر کے خط میں ختم کر دیا گیا ہے حاشیے کے الفاظ: "تاریخ لکھی جائے" غالب کے قلم سے نہیں۔ بظاہر یہ ہدایت مولوی ضیاء الدین خان کی طرف سے اردو (۲) میں قلزہ معنون نہیں ملتا، اور آخری تاریخ کے الفاظ موجود ہیں۔

۱ ۱۶ اس رقعے کے لیے دیکھیے: اردو (۲): ۷۷-۷۸؛ خطوط (۱): ۲۸۲-۲۸۳؛ خطوط (۲): ۳۳۳-۳۳۴

۲ لفظ "نظم" اردو (۲) میں نہیں ملتا۔

۵ افضل حسین کے اوپر لفظ "خان" غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اردو (۲)

: بشیر

۶ اردو (۲)؛ خطوط۔ دونوں جگہ "جمع"

۸-۱۹ قلزہ عبارت، اردو (۲) میں شائع نہیں ہوئی ہے

۹ 'خطوط' میں اس خط کا بقیہ خاصا طویل حصہ دیکھا جاسکتا ہے جس میں صرف الود

کے بلکہ پٹیائے کے حالات بھی درج کیے ہیں۔

۱۰ اس رقعے کے لیے دیکھیے: اردو (۲): ۷۸-۷۹؛ خطوط (۱): ۲۶۴؛

خطوط (۲): ۳۱۵-۳۱۶

۱۳ اردو (۲): اب کی بار

۱۷ ۳ مجتہد العصر کا قلزہ لفظ اردو (۲) میں نہیں چھپا ہے۔

۵ اردو (۲): دونوں

۸ اردو (۲): ۷۹-۸۰؛ خطوط (۱): ۲۸۰-۲۸۱؛ خطوط (۲): ۳۳۱-۳۳۲ میں

یہ رقمہ چھپا ہے "خطوط" میں لفظ "برسات" سے پہلے بہت طویل خط لگتا ہے جو یہاں حذف کر دیا گیا ہے۔

۹ خدا کا قہر (قلزہ الفاظ) اردو (۲) میں نہیں ملتے۔

۱۰ اردو (۲): کثرت

۱۸ ۳ 'حال کی فکر' میں لفظ 'فکر' غالب کے قلم سے اضافہ ہوا ہے

اردو (۲): آوارگی کا قول؛ خطوط: آوارگی، 'لال' (لال غالباً بہتر ہے طول کے؛ طول کتابت کی غلطی ہو سکتی ہے)

۵ اردو (۲): ہانا جا

۱۰، ۸ لفظ 'نظم'، نہ اردو (۲) میں ہے، نہ خطوط میں۔ اردو (۲) میں اس کی جگہ نشان ہے ہے؛ اور خطوط میں کوئی (:)۔

۱۰ قلزہ مجتہد العصر، اردو (۲) میں نہیں ہے

۱۲-۱۱ "۱۱۱۱۱... دعا کہتا" اردو (۲) میں نہیں؛ اس میں رقمہ لفظ دعا پر ختم ہو جاتا ہے۔

۱۳ اردو (۲) میں تاریخ ہے: صبح جمعہ ۲۴ ستمبر (سال کے بغیر)

۱۹ ۱ یہ خط اردو (۲) میں نہیں لیا گیا۔ خطوط (۱): ۲۵۹-۲۶۰ اور خطوط (۲): ۱۱۲-۱۱۱ میں موجود ہے۔

۱۵ ۴ "آگ تاپتا جاتا ہوں"۔ یہاں لفظ 'جاتا'، مسودے میں غالب کا لکھا ہوا ہے۔

۶ 'تو اجد ہم پہنچا' کے بعد خطوط، میں یہ الفاظ ناپید ہیں، ساقی کوڑکا بندہ اور تشنہ لب! ہنسے غضب! ہنسے غضب۔

۸ 'بہار' کا لفظ مسودے میں غالب کے قلم سے ہے

۱۰ 'دربار کی فرد' میں لفظ 'دربار کی' مسودے میں غالب کے لکھے ہوئے ہیں

۱۱ نظم، لفظ مسودے میں غالب کے قلم سے ہے، یہ لفظ خطوط میں نہیں چھپا ہے۔

۲۰ ۵ اس رقعے کے لیے دیکھیے: اردو (۲): ۸۰-۸۱؛ خطوط (۱): ۲۸۴-۲۸۵؛ خطوط (۲)

۳۳۵-۳۳۴ اس خط سے متعلق قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ کسی اور مجموعے میں موجود نہیں، صرف اس اضافے غالب ہی میں ملتا ہے؛ اور میں سے لے کر خطوط میں شامل کیا گیا ہے۔

۶ نظریہ لفظ "برخوردار" اردو (۲) میں موجود نہیں ہے

۱۱ اردو (۲): کوٹا

۱۱ اردو (۲): ماجا

۱۲ اردو (۲): آگے

۱۳ اردو (۲): ڈھونڈ

۲۱ ۵ نظم، اور اس کے بعد کا شعر اردو (۲) میں نہیں ملتا

۷ مرتب اردو (۲) نے غالب سے پہلے لفظ "نقطہ" اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔

۸ اس رقعے کے لیے دیکھیے: اردو (۲): ۸۱-۸۲؛ خطوط (۱): ۲۹۴-۲۹۵؛

خطوط (۲): ۳۱۸-۳۱۹

۹ نظم، کی جگہ اردو (۲) میں نشان سے اور خطوط میں کوئی (:) ملتا ہے۔

مسودے میں (س ۹) سے غالب کا اپنے ہاتھ سے اضافہ ہے۔

۱۰ خطوط: اسے میر جہدی سمجھتے شرم نہیں آتی

۱۳ خطوط: تو کس... کرتا ہے

۱۲ "خطوط" میں "موجود ہیں" کے بعد بھی طویل عبارت ملتی ہے، جو یہاں حذف کر دیا

گئی ہے۔ اس میں دلی کی تباہی اور دہلی کے باشندوں کی مشکلات اور مصیبتیں

کا تذکرہ ہے، جو بظاہر اس کے حذف کیے جانے کا باعث ثابت ہوا۔ جو کتب

افسران فوج کے نصاب کے لیے مرتب کی جا رہی تھی، اس میں ان باتوں کی شمولیت مکمل بھی تھی۔

۲۲ ۲ خطوط : اسے بندہ خدا

۳ خطوط : دلی، دامت، اب خیر نہیں ہے۔ سوسے میں لفظ "کپ" ہے (بزن غنمہ)

اردو (۲) : کپ اردو (۲) میں لفظ "فقط" کا اضافہ آخر میں کیا گیا ہے۔

"خطوط" میں اس کے بعد بھی تین چار سطریں ہیں اور جب خط مکمل ہوتا ہے

۴ یہ لفظ سوسے کے کاتب کی بدحواسی کا منظر ہے ؛ لفظ "رقعہ" کی جگہ "قلعہ" لکھ گیا۔

یہ رقعہ اردو (۲) : ۸۲-۸۳ ؛ خطوط (۱) : ۲۷۲ ؛ خطوط (۲) : ۳۲۳-۳۲۴

میں ملتا ہے۔

۱۰ اردو (۲) : عقیدے

۱۱ اردو (۲) : روپے

۱۵ اردو (۲) میں "دل لڑتا ہے" کے بعد الفاظ "فقط، غالب" کا اضافہ کر کے خط

ختم کیا گیا ہے۔ لیکن خطوط میں اس کے بعد بھی بہت سی عبارت موجود ہے، جو وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

— اس خط کے بعد کی اس سوسے کی کوئی تحریر اردو (۲) میں شامل نہیں ہے۔

۱۲ یہ لفظ "نقل غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

یہ نقل غالب کی کسی اور کتاب یا کسی اور ماخذ میں نہیں ملتی

۸ لفظ "لطیفہ" بھی غالب کا لکھا ہوا ہے۔

جس بات غالب نے "دستبنو" میں بھی لکھی ہے (دیکھیے، کلیات نثر

غالب : ۳۸۸)

۲۲ ۳ غالب نے یہ واقعہ دستنبو، میں بھی بیان کیا ہے، اگرچہ وہاں بہت اختلاف ہے کام لیا ہے (کیا حشر غالب : ۲۹۶) یہی واقعہ مولانا حالی نے بھی قلمبند کیا ہے (ریادگار : ۵۰-۵۱) لیکن دونوں میں کچھ تفاوت ہے۔ میرزا نے یہاں لکھا ہے کہ بچے میں سار جنت (سرحی) بنے ان سے پوچھا تھا: دل، تم مسلمان!، علی نے اسے خود کرئیں بلن سے منسوب کیا ہے۔ جیسا کہ خود حالی نے لکھا ہے، انھوں نے یہ بتا کسی سے سن کر کبھی تھی۔ غالب کا اپنا بیان قابل ترجیح ہے۔

۱۳ صحیح نام برن (Barn) ہے (دیکھیے ذکر : ۱۲۲)

۲۴ ۳ سودے میں قریب کر کے "میں الفاظ کر کے، غالب کے ہاتھ سے لکھے گئے ہیں، اس کے آگے کا تب نے لکھا تھا: "بات بنا کر" غالب نے اپنے ہاتھ سے کڑا کر لکھا بنا دیا ہے۔

۲۰ ۷ سودے میں مصرع اولیٰ میں لفظ "عشق" غالب کا لکھا ہوا ہے

۱۲ دیوان : اون کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق

۲۵ ۶ سودے میں مصرع ثانی میں لفظ "پیالہ" نقل و ذکر کے اس کی جگہ "گلاس" خود غالب کا لکھا ہوا ہے۔ دیوان میں "اس کے باوجود" پیالہ" ہی تھا ہے۔

دیوان : ہاتھ (آج تک غالب کی اپنی جتنی تحریریں دستیاب ہوئی ہیں، ان میں سب جگہ یہ لفظ "ہات" بدون "اے" ہرز لکھا ہے)

۲۸ ۱ دیوان : زمانہ

۱۱ دیوان : اک

۲۹ ۹ سودے میں یہ لفظ "خاترہ" خود غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

عکس
خطی نسخہ

مرتبہ
میرزا غالب

آب رسیدہ ہونے کی وجہ سے نقطو طے کے بعض اوراق پر روشنائی
پھیل گئی ہے۔ ان کے عکس مطابق اصل ہیں۔ ایسے طباعت کی
شرابی نہ سمجھا جائے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ کتاب جو دو باب کی ہے حقیقت یہ اس کتاب کی ہی کہ پہلی
 باب میں وہ دیکھا گئی اور دوسری کتاب میں اگر میری کہی ہوئی نہ ہوتی تو
 میں کہنا کہ بہت خوب ہیں دوسرا باب اشعار کا ہے کہ وہ بھی کلام
 اسی خاکسار کا ہی مگر کوئی خطا اور دو زبان میں ملک جانی اور اشعار
 میں ہی شعر محمول و مفاد کی مناسب درج کیا جانی اور یہ مجھ کو نذر رس
 جناب رفعت آج کی ہی جس سے غوت و توقیر قی نکل شنی بچا
 خاقان علی شان علم و اہل علم کی خدمت میں
 نہ بجا نہ رو رکھا جیسا کہ مطلع و حکم ہوا ہے

اہل منہ کو نہ دیا نہ خیر و نہ شر اور الہامی برتوہ تعالیٰ انہما جنت
 ظلمت رفت مسکوہ صاحب صحابہ و نشان کش تریجا اور جھنڈا
 پس یہ کتاب اگر اونکی حکم کسی چالی جاگی تو صاحبان تانہ
 ولایت کی پڑھنی کیے کام آگئی اس کتاب کا قدر کر فوج الہامی
 قدر کی قبول ہو چکا اس لیے نصر اسد بیگ خان بھادر رئیس
 سون کا بہتیا موسوم بہ اسد اسد خان و تخلص بہ غالب یہ
 میری چچا کی سہ داری اور ریاست کا حال اور گورنمنٹ بھاد
 اعلیٰ سی خاص میری ملازمت اور تفرار اور خلعت کی کیفیت
 گورنمنٹ اعلیٰ کی دفتر میں مرقوم ہے اور میری قصیدہ کا جفا
 مستطاب لہذا تہ برا بھادر کی ذریعہ سی وزیر اعظم کی پاب
 پہنچا اور رفت قدر قدرت شہنشاہ بھر و ہر ملک و محلہ شہر
 حضور پر نور میں گزرا اور وہی شاہدہ خطوط آمد ولایت پور
 محکو ولایت سی انی میں گورنمنٹ بھادور منہ سببان و معلوم
 ایستہ میں اسکا مستحق تہن کہ گورنمنٹ گئے ہاؤن و اس
 معلوم سی ایک بنام اور نچہ جزت یاؤن اگر تہن شہنشاہ

بخت عظیم عزت میں تو فرق نہ آئی تھی اسی جہانِ آفرین خدا ہی کی رحم
صفتِ بخت پر تو ہفت آسمان نام مکملہ ڈھکیا ہی تھی اور یہ شریعت
نشاۃ العبد در شریعت دولت سے تھو مان رہی تھی اور خدایا چاہیے

صاف

سنتیں ہیں بند خدا کی کیا نظر خدا عز و جلیلین ہیں تعالیٰ اسد کیا
پرست کہ وہ تیرے جن میں پیچھے صفتیں ہیں اسی کی تیری زبان سے
تیرے خداوند خدائے باریک بینی سے ارم کا زمین و آسمان سے اور تیرے
جائے تیرے سب کے ایک ہی نام ہے یا زنی تو تیرے عزت و شرف
اورم کی تیرے آیتوں سے تیرے آیتوں سے ایک ایک صفت ہے
صفتِ العشق کی حیدر نگاہوں سے تیرے تیرے پیچھے جو جو صفت
ہے اسد اسد خان اور محفل بہ نور اللہ والہ اور تیرے صفت ہے خدا
جہاں تو تیرے سنی تیرے کام اور تیرے صفت کا تیرا ہے تیرا ہی
تیرے صفت ہے تیرے صفت ہے تیرے صفت ہے تیرے صفت ہے تیرے صفت ہے
تیرے صفت ہے تیرے صفت ہے تیرے صفت ہے تیرے صفت ہے تیرے صفت ہے
تیرے صفت ہے تیرے صفت ہے تیرے صفت ہے تیرے صفت ہے تیرے صفت ہے

۱۰۰۰۰ کا التزام کرکے بھی نہی قلم نیکو ایہ کہ مرید ہجرت و عوی تباہ کن
 بیان دشمنی تفریق میں فساد غمخیز نبی نظیر حق جس نے میری دھوکہ
 اور فساد عجائب کی بکثرت کو متایا دوویہ تھوہری کہا ہوا اگر ایک
 نقشہ دوسرے کا ثانی ہی یہ ہوتا ہم کہہ سکتے ہیں کہ نقاش لائانی ہی ہوتے
 نقاش یعنی صورتیں بنا کر میری کھو عوی کری کیا عقل کے کئی ہی یہ ہوتا
 خدا معنی کے تصور کنجہ کرد عوی خدا ہی کوئی کس جس صلا کا آدمی ہی
 پنج توہین ہی کہ جناب مبارک صاحب الامانات مدد شان
 ایسی پرشاد باریں سنکے بجا درجہ ^{۱۵} ^{۱۶} آرائش کے کار فرما ہوں
 اور پھر اوس پر غرہ یہ کہ مرزا سردار چمن آراہون دو باغ کیسا ہکا
 بہشت بنو کا تھو اور کیا ملو کا کوئی نہ کہی کہ یہ درہیش گوش فشین غزل
 و سبکسر کیونہ ہی بیچکھی بہالی حضور کا ثنا گسر کیون ہی صاحبو
 حاتم سی ہنی کیا دولت پائی ہی کہ اوسکی سخاوت کی ثنا کرتی ہیں
 رستم ہی کہان شکست کہا ئی ہی کہ اوسکی شجاعت کا ذکر کیا کرتے
 حضرت سید جناب مبارک صاحب بھیل المناب میرا حال
 ۱۰۰۰۰ پر سجدہ خزان کا مور و عنایت راہون جن و نون و وہ ملی ہیں

نرغزیدہ آرد وین اور ہی آہنگ سید تواریخ میں جو مدیکوچہ تم سینے
 سنیکردن برس پہلی واقع ہوا تھا آستانہ دوستان میں وہ کچھ سو
 کر کہیں کسی نختہ ایک باہوئے سنا ہو چہ خندہ خندہ ان بیدار خضر تواریخ
 کی طرف باطلی ہو گئی ہو لیکن قصہ کہ ہے کی ذوق بخشی نشاۃ الیکبر کی
 بھی دل میں قابل ہوئی کیا تواریخ میں مستحق توقع حکایت بنین باطن
 کو دینے ہو یہ کچھ بابت بنین سام اپنی سوزندہ کو بہار پر پہلو اخی سیوا
 اوسکو اپنی گونسل میں ادھالائی پرتشش کی پہلو ان جانی آوا
 جرب و ضرب سکھائی پرتجب ستم اسفندیار کی نرانی کسی گجرائی تو
 نزال اوس ستم کی سبھی بھلی سیم کرد ان کو ہر کی طرح سیٹی کی گولاز
 سستی ہی جلائی اور اپنی بیٹھ کی ریشہ پیا اور کسی داسی ستم کے
 زخم اچھی کو کیا ایک تیر و شاخہ بکشتہ دین بجای ستم س بکلی عزمین
 ست باقی کو جو کہ کی جہنم بدو در جوان ہو تو دیکھ سپید کو تہسکا
 کی قرحون کا دعویٰ خدا کی مشہور ہی مشاد و مزد و کا ہی تواریخ میں بہا
 نکو رہی اگر اہل طبیعت ایک پہلو ان نہ بد دست حمزہ دیکشتہ ستم جیا
 قزار دین احمد ایک شہ و شاہ کہ احمد دعویٰ خدا کی کرنی والا مثل مزد و کھڑیز

تنگو یا ایک ڈھکوسلا بنایا ہی لگ رہا تھا بنایا ہی اور نہیں دایا است کا چ پانچا
گھوٹھا ۱۱ ٹھانڈا ہی سوخت و پت نہیں تر تھک غریب تہی سید و اخبار نہیں
چھٹا ناف نہی و آستان طرازی مغلضن سنج سے تو یہی کر اس
پہلو کی لٹی اچھا نہیں غم کے عیا ریلن و لکھ جھڑ کی میدان واریان ویکو
جامع ہن حکایت کا کہنی سخن و زبان ہی کرد ویر تھی شہابی جو بدیر بون
الہ اسحق خان گاہی آتھنی بوستان خیال میں کچھ اور تھش اکھلا یا گویا
باغ ارم کو بندستان اٹھ لایا اور کھن قصص میں کسی ایک جہتی مغلضہ
واری پڑوہ و رزم ہمسودہ طلسم حسن و عشق پیکر زنی بیکار و خالین کی نظم
کشانیات اگر سپین تو میر جھڑ کے یہ صورت ہو کر اپنی صاحب نرائی کا ہوجا
ہجرین اور کہیں پناہ پائین ابوشک کے عیا ریلو کئی جو برگر و گھیں تو خواجہ
کوہ حیرت ہو کر زمرہ کسی آئینہ کے گھنیر و جانین وینو میر ابرار
سعادت و بان خواجہ بد و دلین خان عرف خواجہ بان کرد و ایک
جوان شیرین بیان تیز بوش اور برفن کے کمال کے تحصیل میں کھنچا
دست کو خر ہی ستار کا خیال جو دیا تو ایسا بجا یا کہ بیاں تان سین
کو اٹھلے نہر نچایا مصوہ کی بکطرف جو طبیعت آئی تو وہ مصوہ کی کھنچا

کہ جس کے دیکھ کر مانی و ہزار کو حیرت آئی اور اس قیام نثار کا بہ
 ارادہ ہوا مگر نامہ کی فارسی کے اردو کر کے پڑھا وہ ہوا مگر وہ
 فیروز بخت کی کشور شایان ابو الحسن جوہر کی ہیرنگ شایان
 جہانیاں حکیم قطاس کے جہت فرایان ملک نو بہار کی رنگیں لایان
 ہر شیدہ و ہر بہت کی زور آزمائیاں سارنگوس نموس کے چیلان
 سب سے بے فکر کی فرایان مستانوں کی جہان کا فزون کے
 برائیاں فارسی سے اردو میں لی آیا ہوں تصور کر دو کہ دروازہ
 ایک قصہ ملک یا ایک خانہ صوح افزا سے تہا سہا یا عبادت گاہی
 کو ترک کیا ہی گویا تھری کو ہر ایہ تحریر دیا ہی بہت خستہ نگارش
 غالب ملک زد ہسی دیباچہ لکھنی کے آرزو کی جن میں چند محراب
 و معذرت ایگز گفتگو کی پیدا کرنی ایک بات نشی اور ایک عذر
 ناما ہوا اس امر کا علاج اور اس صند کا کیا ہوگا ~~نہا~~ چاہا
 و بجز خانہ فرسائی کچھ بن نہ آئی آسن بیاچہ کی انجام لاکوئی رنگ نظر
 نہ آیا عالم ارواح کو سعید یا چلا گیا اور حضرت غلامی سی ایک شعر
 ملک لیا اوستی شعر شعری شاعر خانہ زمین کھدیا ہوں بہت

خود ہو گئی ہن شہر چپ چاپ نہ کہیں یہاں نہ اچھا ہی نہ سہل
 نکلے کوئی مکان اور یا جاتا ہی نہ آہنی سرک آتی ہی نہ کہیں وہ بڑا
 دلی شہر خوشان ہی کا فخر تیرا گید و رہتا رہی دھلی خوش کیو اسطی ہی
 اور لکھنا بکھینا وہی ہے

تقریر

بہانی تم تو لڑکوں کی سسی باتیں کرتی ہو چہ بھرا میں نے مسو سنا تھا کہ تیرے
 موجب تشویش تھا تیری تحریر سچی و قلمشس رفع ہو گئی پہر تم کہیں
 ہی و اوڑلا کرتے ہو اور کا حاکم ہوا فوسے ماتحت کا حاکم جو مخالف نہا گیا
 پہر کیا قصہ ہی قانع ہو جان کی مسو و باب میں فی ہزار والی اسو اسطی کہ
 ہر نظر میں اسکی صورت بدلتی گئی وہ تحریر باہلکس منقوش ہو گئی ان کے
 نفیس صاف کہیں کہیں کی غلطی نہیں ہو البصاحب نے کہیں میں کہ
 ہری اسطی کہیں کہیں اندر نجان کی و اسطی میری ملک کے جو کتاب کے ایک
 جلد بندہ جای ہو تقریریں مستند نہ کہ سچ دون کا فخر اسکی قلم بکری
 کہ تب چکو پھیر دینا اور یہی اور غیبہ جو تم واقع ہو گا اگر یہ یاد ہی کہ جو
 صاحب اسکو دیکھیں گی وہ ہرگز نہ سمجھیں گی صاف جہان قانع کی نام بر جان نہیں

[illegible]

بالصدر کیون بر بنائیں مستوحاصل بالمصدر فیمش اور طلبش چلی تھی
 صیغہ امر فید میں سنی نکلاتا الف اور بی کی کھانسی لیا فیمش تو نہیں فرما
 درست ہو کہیں فرمایا شکر اس کے نظیر گمان کرنا وہ مصدر اصلی فارسی
 فرمودن ہی فرمایا مصدر فرمایا مصدر فرمایا فرمایا
 دفعہ

کوسمان نسو زاده آزاد دلی ایک عاقل و مدبر و دبی جوانی آید و
 بازار کی دکان والی حیدر علی کے برائے دلی تاجر میں مہر و آرم نہ آئند
 میں جیاد شدم نظام الدین منون گمان ذوق کبھان مومن خان
 ایک آرزو سو خاں بکشی و سب اہل و عیال و دود و بھوش نہ
 سخورہ ہی نہ سجدہ آکسن آئی پرمایانی نای دلی دلی
 بہا نہیں جای دلی ستو صاحب دلی پکشی و بیون میں ایک
 بن احمد حسین خان و لہ سر دار خان و لہ دلا کمر خان اور ناگوار
 احمد حسین خان کی غلام حسین خان و لہ صاحب خان و لہ شکر
 حال از روی تحقیق مشح و در محفل کلمہ تم کبابی سنا شکر دلی
 کیا ہی احمد حسین کی عمر کیا ہی ایات آئی کا کیا نگاہ طبع کا

آج تاجی جسطرح پہلی چمک جاتی ہی راکھو کبھی کبھی تار ہی اگر دگھائی
 دیتی ہیں تو لوگ اوکھو جگنوں سے لیتے ہیں اندھیری راتوں میں
 چور و کٹی بنائی ہی کوئی دن نہیں کہ دو چار جگہ کے چور کا حال نہ سنا
 جلدی مبالغہ نہ سمجھنا ہزار مکان گر گئے سینکڑوں آدمی جا بجا وچ
 لگی لگی مٹی مذی بہہ رہی ہی قصہ مختصر وہ ان کال تھا کہ مینہ نہ برسائے پیدا
 ہوا یہ بن کال سے پانی بیاہر سا کہ بونی ہوئی دانی بھگنی جنہوں نے ہی
 نہیں بویا ہتا وہ بونی سسی رو گئی کس بیا دلی کا حال اسکی سو کوئی نئی بات
 نہیں ہے خجانب میر نصاحب کو دھار بادہ کیا لکھوں ششہ یکم عشر
 ۱۲۹۰ جولائی سال ہستائیز ۱۲۹۰

بھائی کسا ہو چتی ہو کیا لکھوں دیا کیے سنی منور کیے نگاموں پر نہی قلعہ
 چاشنی چوک سرورہ بازار مسجد جامع کا ہر شہہ سیر حینا کی دلی کے
 بحال سید پہل حالو لنگا یہ پانچون باتن اب نہیں بیکو دلی
 لہان دانی کوئی شہر قلعہ ہند میں اس نام کا تھا قلاب کو رنجران
 "اس سیر کو بیان داخل ہو گئی دیکھنی کہاں اوترتی ہیں اور کیونکر رہا

نظم جو باری حال ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ

ہمسفر جاسع و اگر گشت ہو گئی چلتی قید کے طرف کی سیر جو یوں پرکھا ہو
دکانین جنابین اندام مرغی کبوتر کی مکتبہ ہشتہ ہشتہ یعنی دس آدمی تھم
ہری مرزا ابلیغش مولوی صدر الدین ^{۱۰۸۰} تفصل اکثر فضل اللہ خان
تین یہ اور شاہ اور بہ نو مہر لم اجاوی الاول سال حال جمعہ کو ان
بہو ظفر سراج الدین بھادشاہ قید فرماتے قید جسم رہا ہوئے
آنا قید و آنا الیراجون چارٹا پھر رہا ہی ہدی پس شایب کی
بھی کھنکھناتی مکتوبہ شری المکتوبہ شری پکھنہ راجی ہون گرا س دیکھا

رقم

جلال غالب ابکی لیا بیچارہ ہو گیا تپا لکھو جھکو خوار و افسوس تھا پانچویں دن
خدا کا ہی اسب اچھا ہوں تنہا رہ سہو ہوں بڑی الجھٹ بکتہ کچھ
کھٹکا نہیں ہی محو کل پہن نایب سہو اسد ملک سے سیر تیر لکھنوی
چند کر میں نے نو کو دیکھا نہ ہوں ابکی بارہ رو میں کھٹکے غفلت بہت ہی
اکثر اسد کے آٹکی خنہ نہیں ہوئی جب کسی اچھا ہوا ہوں مستحق

ہونے کی تہا رہی تھی کہ اس کے بعد یہ کہ اگر آپ کی من سی
 گئی اور جہاں تھیں وہاں سے بھی یہی ہو گیا ہے
 ایسا ہی ہے کہ یہی ہو گیا ہے کہ یہی ہو گیا ہے
 اور یہی ہو گیا ہے کہ یہی ہو گیا ہے کہ یہی ہو گیا ہے
 جس سے کہ یہی ہو گیا ہے کہ یہی ہو گیا ہے کہ یہی ہو گیا ہے
 ہزار ہوں کہ یہی ہو گیا ہے کہ یہی ہو گیا ہے کہ یہی ہو گیا ہے
 اور یہی ہو گیا ہے کہ یہی ہو گیا ہے کہ یہی ہو گیا ہے

[illegible]

ایک اس کے بہت نظر آئی کہا کہ تو میری مہدی کے خط کا جواب لکھو
اور کے ناخوشی راہ کی محنت کشی پسند کی جرارت گری یک شہادت باہن کا
عالم کثرت اخذ و دفع حال کے مستقبل کا خیال تباهی کا رنج اور اہل کمال
جو کچھ کہو وہ کمیت یا فعل تمام عالم کا ایک عالم ہی سینتی دین کہ نور میں
مباراجہ کو اختیار دیکھا جان دیکھا گروہ اختیار اس جہ کا جیسا کہ
خلق کو دیا اپنی سب کچھ اپنی قہر قدرت قدرست میں رکھا آدمی کو بدنام کیا
کیا ہی باری رفع مرض کا حال لکھ خدا کری پس پاتی رہی ہو تندرستی
ماضی ہو گئی ہو میری کہتی ہیں تندرستی ہزار نعمت ہی ہائی شہیں
مرزا قربانی کیسے لکھیے کیا خوب بہم پہنچایا ہی ہو جو بہت پسند آیا ہی
نظم تنگہ سے اگر ہو سکے کہ قدرت تندرستی ہزار نعمت ہی ہو
جناب میرسر فراز حسین صاحب کو دعا انا ما اريد من فضل علی صاحب
کہان ہیں حضرت بیان تو اس نام کا کوئی آدمی نہیں دیکھتا کیسے
اللہ کے بہا کی نام میری نصیب ہے اور کو ہمارے دعا کہنا ہی ہو
ہم سب سے

جنو کی مرتبی میں مزاج جلوہ سجود رنہ ناسخ کے جاگی اور تھکا کو افسردہ بچا
 بتو حال میر نصاحب کو بیہ عکارت پڑا ہوا دینا میر سر خزان حسین کو
 دعا میر اختر الدین کو دھلا حکم میر اکبر علی کو دعا یوسف صفت کشور کو
 دھلا شبنم کا کھسبہ شمع

تو

بھڑو وار تمہارا خط پہنچا مگر یہ غضب ہے کہ میں اس کا جواب نہیں
 لکھ سکتا اور وہ جواب طلب ہے جواب کیا لکھوں قواعد علمداری کے
 برہم ہو گئے نئی نئی دستور میں شہرت ہوئی کہ لارڈ صاحب تمہیں
 فروری کو انبالی پنچینگی اہل دہلی کے عازمت و مان ہوگی اب پہلا وارہ
 بندی کی فروری میں کلکتہ سسی چینیگی اخبار سرال آباد اکبر آباد ہو گئی
 مہیج کو انبالی پنچینگی اہل دہلی پورہ کوڑہ بین راجہ اگر وہ پہنچ گئی مان میر
 فرخسریطج بیکار دہری ہوئی جن اور کی لکھ راجہ کو با یوسف میں آگے
 خیر دار دوڑتی پرتی میں کوئی شکر کم کوئی کراچی ہو نہ رہا ہی کوئی پاؤ
 چل ٹھکانے مانگی کا شہر ہم پہنچا یا یہ تب قصہ کیرف اب ہشتا ہون
 کہ ہستان کی اجبشتی سب جیسو کو لکھا ہی کہ لارڈ صاحب تبس چاہی

اسد اللہ دلی شری اور دلی الی انکس بیابانی زبان کو اچھا کیے
جاتی ہیں وادری حسن اعتقاد ہی بندہ خدا اردو بازار نہ رہا اور
کہان دلی شہر نہیں ہے کہ ہے چھادنی ہی نہ قلعہ شہر بازار کو

جمعہ ۲۶ جولائی سید صاحب کل ہرون رہی تھار خط
پہنچا یقین ہی کہ اس وقت پاشام کو میرے فرائضین تھاری کہا
بہنچ گئے ہوں حال سفر کا جو کچھ ہے ادکئی زبان کی سن ہوگی میں
کیا لکھوں میں نے بھی جو کچھ سنایا اور نہیں کسی سنایا انکلام
نکام پھر نامیری تھار اور میری مقصود کے خلاف ہی لیکن میرے
عقیدہ اور میری تصور کی مطابق ہے میں جانتا تھا کہ وہ ان کچھ
نہو کا سورہہ کی زیر باری ناقہ جوی چوڑا بہ زیر باری میری بہنو
ہے سوئی تو مجھے ہے شہر مساری ہی میں نے اسے چہا شہر میں
اسطرح کہ شہر مساریاں اور رہا یہاں بہت اوشانی میں
جہان گزار داغ ہیں ایک ہزار ایک ہی میرے فرائضین کے
زیر بادے سنی دل کر رہا ہی

تو نہی اسکو یوں تصور کرو کہ جب دن شکت کہانی اہل سن
فتح پائی یعنی دیر نہ لگی ایک دن میں تدارک ہوگی
نفل

عذر بکروں دن میں بن میں مشہور سی نفل نہ پکڑا کی نہ میرے رو بہ کیا
ہوئی جس مکان چکر ہوتا تھا وہ میں جستور پتیارا اور پتیارو کھنے
محل میں میرا گہ تھا ناگاہ ایک دن آٹھ سات گوری دیوار پر
چڑھ کی اوس خصل کو چھی بن او تر آئی جہاں میں رہتا تھا اوس
کو چھین بہر جیت ۵۰ یا ۶۰ نو سکی بستی ہو گئے سب کو گہر آیا اور
اپنی ساتھ لیچلی مگر گرفتار نہیں کیا اور کسیکو بچوت نہیں کیا
نرمی سی لیچلی راہ میں سارے جن ہی آلا اوسنی مجھ صاحب سدا
بعد پوچھا کہ تم سدا ان ہو میں نے کہا کہ آو یا سدا ان ہوں اپنی
کہاؤں صاحب تو سدا ان کیا میں نے کہا شریع پتیاروں
ایم ہو کہ نہیں کہا تاغوض کہ وہ مجھی کر نیل برود نصاحب کے پاس
وہ چاند نے چوک حافظ قطب الدین آو اگر کے حویلی میں آو
ہوئی تھی باہر نفل آئی اور زیر اصراف نام پوچھا اور روئے سن نام

شعر

مین بھی سب مین زبان رکھتا ہوں : دکاشن بوجھو کہ دعا کیا ہے
تعلقہ

پہر کب لایے درعدالت ناز : نگرم بازار فوجدار ہی ہے
سورما ہی جھان مین اندھیر : نزلت کی پہر سنا داری ہے
پہر دیا پارہ جسکے سوا ل : ایک فریاد آہ و زاری ہے
پہر سوئی ہیں گواہ حق طلب : اسٹاری کا حکم جاری ہے
دل و شرکان کا جو مقدمہ تھا : آج پہر اوسکی رو بکاری ہے

شعر

ہوس دیتی بہن اور دل پہ لکھتا : جیسے کہتے ہیں کہ مفت آئی تھی لکھا ہے

شعر

اوکئی دیکھتی سی جو آجاتی ہی رہتی تنہا پر : وہ نبھتی ہیں کہ سیر کا حال لکھا ہے
شعر

پیون شراب اگر خم بھی دیکھ لیں دجا : ہسٹیت و خمر و کونہ و سب کو کیا ہے
شعر
سیرت سب مین عم گراتا تھا : دل ہی عیب کئی دئی ہویت

شعر

خاک کھینچ کر چڑھ کر جو - دم نہ عاشق میں چہاڑی نام کے

شعر

مخمر مینے چڑھ کر اس کے - نامیدی اس کے دیکھا چاہئے

شعر

چلا دی آگ سے ساقی چڑھ کر - نکلا گر تھن فیضان دی شہر توجہ

شعر

گو نام کو جنبش نہیں آگے نہ ہوتا - نہ ہنی وہ ابھی سانو مینا میری آ

شعر

کون ہی جو نہیں ہے شہید - کئی عارضہ دعا گری کو

شعر

جو کی بین میں سے نکلتی ہے - کیوں نہ کہتا ہے کہ چاہتی میری

شعر

غالب ہر نام جو عطا کی - نہ لیتا ہے کوئی بی گناہ چاہئے

شعر

و اعظم تہجی ہو کہ ہو - کی ہستی تہجی ہو کہ ہو

شعر

بج

سکندر بن ابی بکر شریفی جو درانی ہوا، جو چکر ~~سکندر بن ابی بکر~~

دست دن کو شین پر سات اسان : نہور ~~سکندر بن ابی بکر~~

کہتی ہیں جیب ہی نہ بھی طاقت سخن : دیوانہ کن گنسیکی : مکی بن گنہ گنہ گنہ

بیسین ہی کچھ نہیں ہی ہار گنہ ہم : دسہ جا یا تھی نہ دین پر کہی غیر

ہی ~~سکندر بن ابی بکر~~ گنہ گنہ گنہ : خاک ہو گنہ گنہ گنہ گنہ

تافند کی آئی آئی خط ایک کچھ کچھ گنہ : دین جانا سون جو وہ گنہ گنہ گنہ

وہ آئی گنہ گنہ جباری ضدی گنہ گنہ : دیکھی ہم "گنہ گنہ" ابھی گنہ گنہ گنہ

سج سبھی جو گنہ گنہ گنہ گنہ : مشکین مچ پر چرین اشی گنہ گنہ

شعر

سیکلی میں مریخو کی نے پام ہوئی ہے
 لہریں کچھ تو ہیر ملا تات چار
 کی خوب تھی چھو کھنکھہ نہیں دیا
 لیس شہید ہو جلد یہ بھی ہند میں

نفسہ

ہمسہ میں کر دیکھ میں جو کچھ ہے
 کس شہی کیا ہو مگو بدنی ہند میں جو ہے

نفسہ

سایگر ہی یکا شرم کرو آج نہ جو
 ہر شب بیاہی کرنے ہن ہی ہیر ہریے

غزل

خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ میں مجھ کو غنیمت شام ہو اور جسے نہیں پہچانتا
 مانگتا ہوں کہ میرے مہربان اور مجھ کے پسند آئی تمہی جانا کہ ہے
 تیری اور مجھ کو ہن وہ کہ جتنی بدایت کا شکر گزار اور غنیمت کا
 امیدوار ہوں جب نام نامی او لکھا دیا کہ کتاب میں مرقوم اور عالم
 میں جسے شور مچا تو بار بار ہر صفت کا نام لکھتا وہ شب و روز کی گراں خاتہ
 میں یہ شعر لکھ دیا تم کو ہے

جسٹین بیٹن ہی ہو گئے تیرا جہاں رہی ہو
 نہ ہو گیا اگر ہے زبانی ہن ہو ہے

مقالاتِ ممتاز :

ممتاز دانشور ڈاکٹر ممتاز حسن کے مقالات کا مجموعہ

مرتبہ

شان الحق حقی

اردو ادب، عالمی ادب، تعلیم و ثقافت اور اقبالیات کے موضوع پر

چھیالیس مقالات کا مجموعہ۔ اس میں قائد اعظم، علامہ اقبال، مولانا ظفر علی

خان، ملک اشعر، بہار اور بعض دیگر اکابر کے شخصی خاکے بھی شامل ہیں۔

☆ صفحات ۴۷۲ ☆ قیمت ایک سو پچاس روپے

ادارۂ یادگار غالب

کراچی۔ ۷۴۶۰۰

یادگار غالب

مولانا الطاف حسین حالی

”یادگار غالب“ اردو زبان کی زعمہ چاروں کتابوں میں سے ہے۔ اس کا شمار اردو کے ادب عالیہ میں ہوتا ہے۔ غالب شاعری کا نقطہ آغاز بھی یہی ہے۔ یہ غالب پر پہلی جامع کتاب ہی نہیں، غالبیات کے موضوع پر اب تک لکھی گئی سیکڑوں کتابوں میں مغل سرسبد کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا حالی شاعری میں غالب کے شاعر و تھے اور ان سے ذاتی تعلقات کی بنا پر ان کی سوانح عمری لکھنے کے ہر لحاظ سے اہل تھے۔ لیکن یادگار غالب صرف سوانح عمری نہیں ہے، غالب کے اردو قاری کھام نظم و نثر کا پہلا مبسوط جائزہ بھی ہے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۸۹۷ء میں جب غالب کی پیدائش کو پندرہ سو سال گزر چکے تھے نای پر بس کا پندرہ سے شائع ہوئی تھی۔ زیر نظر ایڈیشن اسی پہلے ایڈیشن کی نئی بازیافت ہے جو غالب کے دو صد سالہ یوم پیدائش پر شائع کیا گیا ہے۔ گویا یہ ”یادگار غالب“ کا بھی صدی ایڈیشن ہے۔

☆ صفحات: ۴۵۶ ☆ قیمت: اردو سو روپے

ادارۃ یادگار غالب

کراچی۔ ۷۴۶۰۰

انشائے غالب

”ساحباں جازہ وارد ولایت“ کی انشائی ضروریات کے لیے غالب نے اپنے کلام نظم و نثر کا ایک انتخاب ۱۸۶۶ء یا اس سے ایک آدھ برس پہلے مرتب کیا تھا اور اس کا ایک نسخہ انجی گرائی میرپور تیار کیا تھا۔ یہ نسخہ کئی مختلف ہاتھوں سے ہوتا ہوا ڈاکٹر عبدالنثار صدیقی تک پہنچا۔ انھوں نے اس کا متن مرتب کیا اور حواشی لکھیں۔ مقدمہ لکھنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ وہ تیار ہو گئے۔ اس کے بعد مالک رام نے اس پر مقدمہ لکھا اور مزید حواشی قلم بند کیں۔ مگر اشاعت کی صورت بھر بھی پیدا نہ ہوئی۔ بالآخر اس سارے لوازمے کو رشید حسن خاں نے مرتب کیا اور عرض مرتب کے اضافے کے ساتھ ۱۹۶۳ء میں ”انشائے غالب“ کے نام سے شائع کیا۔ کتاب کی اشاعت کے بعد خان صاحب کو اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل ہوئیں اور انھوں نے ”عرض مرتب“ بہت سے اضافوں کے ساتھ از سر نو لکھی اور کتاب کا نیا ایڈیشن تیار کیا۔ یہی ایڈیشن نجفی مرتبہ ادارہ یادگار غالب کراچی کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔

بقول مالک رام: ”اس کتاب کی خاص اہمیت یہ ہے کہ خطوط غالب کا پہلا مجموعہ ہے اور وہ بھی خود غالب کا مرتب کردہ۔ خود ہندی اور اردو سے متعلق دونوں متداول مجموعے بہت بعد ۱۸۶۸ء اور ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئے۔“

اس ایڈیشن کی یہ اہمیت بھی ہے کہ اس کی ترتیب و تدوین میں اردو کے تین ممتاز ترین محقق اور دانشور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، مالک رام اور رشید حسن خاں شریک ہیں۔

کتاب میں اصل خطوط کا کس بھی شامل ہے۔

